العادل — السلطان

شیر شاہ سوری

" انسانی اوصاف میں بہترین
وصف عدل ہے۔"
(شاہ ولی اللہ)

" حضور سرورِ کائنات صلعم نے
نوشیرواں کے عدل کے
باعث اس کے عہدِ حکومت
میں اپنی ولادت باسعادت
پر فخر کا اظہار فرمایا تھا۔"

" میری خوش قسمتی ہے کہ میری
پیدائش شیر شاہ عادل کے زمانے
میں ہوئی۔"
(عبدالقادر بدایونی)

" کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق
ہیں۔"
(شیر شاہ سوری)

یکے از مطبوعات
سلسلہ تاریخ و سوانح (۱)
مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

مصنف
میاں عبدالرشید

درخشاں جدید کتاب ۵
قیمت صرف
تین روپے

[illegible] ۱۳۶۹۱۲۰۴۲

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بطور ناشر جریدی کتابوں کے ضمن میں چند الفاظ اپنی جانب سے لکھتا آ رہا ہوں۔ میری تمنا رہی ہے کہ درخشاں کتابوں کے قارئین سے براہ راست گفتگو رہے اور اپنی خواہشات اور ارادوں کو جو میں ان کتب کی صورت میں رکھتا ہوں آپ تک پہنچاتا رہوں، تاہم ہزاروں خواہشات اور لاکھوں ارادوں کو بروئے کار لانے میں جو مشکلات اور مالی ضرورتیں سدِراہ بن رہی ہیں وہ اللہ کریم کی عنایت سے میرا راستہ نہیں روک سکیں ——— شیر شاہ سوری ——— کی اشاعت کے بعد جن عظیم شخصیات پر کتابیں شائع ہونے والی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ ان کے با برکت حالات میری کامیابی کے سنگ میل بن جائیں گے۔

شیر شاہ سوری کے مولف میاں عبدالرشید نے کتاب کے پیش لفظ میں کن عظیم خواہشات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ تو آپ پڑھیں گے۔ البتہ جناب محمد رستم کیانی (مرحوم) چیف جسٹس حکومت پاکستان کے یہ کلمات بھی توجہ طلب ہیں:

پنجاب ہاؤس کراچی ۱۱ر جنوری ۱۹۶۰

محترمی عبدالرشید صاحب، السلام علیکم

آپ کا ۱۲ر دسمبر کا خط جب پہنچا تھا میں کرسمس کی چھٹیوں کی وجہ سے کوہاٹ میں تھا۔ واپسی پر تھوڑے دن لاہور میں رہ کر یہاں آیا ہوں۔ خط کا جواب اس لئے بھی نہیں دیا تھا کہ "شیر شاہ سوری" ابھی نہیں پڑھا تھا۔ میرے منصبی کام مجھے بہت "تکلیف دیتے ہیں مطالعہ کے لئے مشکل سے وقت نکالتا ہوں" اب یہاں آ رہا تھا تو ٹرین میں پڑھنے کا موقع ملا۔ اچھی دلچسپ کتاب ہے، میرے دماغ میں سکول کے دنوں کا شیر شاہ تھا۔ جس نے ہمایوں سے تخت چھینا تھا۔ مورخ کے لکھنے کا انداز یہ تھا کہ دور مغلیہ ہے اور اچھا بھلا چل رہا ہے مگر حسب معمول کوئی صوبیدار طاقتور ہو کر سرکشی کرتا ہے آپ نے اس کو ایسا پیش کیا ہے جیسے ایک درخت قدرتی طریقے سے بڑھ رہا ہو۔ اس لئے پڑھنے والوں کی ہمدردی ہو جاتی ہے"

کتاب پڑھ کر اپنی رائے لکھیں۔ سلسلہ تاریخ میں مزید کتابوں کا انتظار کریں۔ بشیر احمد چودھری

سب کچھ مہنگا ہو گیا
کتابیں سستی ہو گئیں

خط و کتابت اور مالی امور کے لئے
ناظم شعبہ درخشاں کتابیں
مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

شیر شاہ سوری
مصنف: میاں عبدالرشید
درخشاں جریدی صورت میں
یکم مئی ۷۶ء
ناشر: بشیر احمد چودھری
طابع: آل بشیر پرنٹرز لاہور ۲

اگلی کتاب
ستائیے اور زندگی بڑھائیے
جوزف اے کینیڈی
کا شاہکار

میری لائبریری کی درخشاں کتابوں کے سلسلہ میں

السلطان العادل

شیر شاہ سوری

میاں عبدالرشید

پیش لفظ

برعظیم پاک و ہند کے مسلمان سلاطین میں سے فرید خاں (شیر شاہ) منفرد شخصیت کا مالک تھا جو توازن یا عدل اس کے کردار میں تھا وہ بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے۔ اسلام عدل یا توازن کا دوسرا نام ہے مگر ہم مسلمان بالعموم یکطرفہ خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ برعکس شیر شاہ میں وہ خوبیاں نظر آتی ہیں جو اس کی ناچیز رائے میں اسلام انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اسی سوانح حیات کو اپنے اس نوزائیدہ ملک کے بڑوں اور نوجوانوں کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ کیونکہ جس قدر ہمیں اس زمانہ میں اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط و مستحکم اور باعظمت بنانے کے لئے متوازن کردار کے انسانوں کی ضرورت ہے مسلمانوں کو اس سے پہلے شاید کبھی ایسی ضرورت پیدا نہ ہوئی ہو۔

(عبدالرشید)

ہونہار بچہ

"ابو جان! آج میں بھی آپ کے ہمراہ مسندِ عالی کی خدمت میں جاؤں گا۔" ننھے فرید نے اپنے باپ کو تیار ہوتے دیکھ کر کہا۔

"وہ کیوں؟" حسن خاں نے درباری لباس زیب تن کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"میں مسندِ عالی کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔"

حسن خاں نے حیرانی سے اپنے ہشت سالہ بچے کی طرف دیکھا۔

"تم مسندِ عالی کی ملازمت اختیار کرنا چاہتے ہو؟ اس عمر میں تم مسندِ عالی کی کیا خدمت سرانجام دے سکتے ہو؟"

"جو مسندِ عالی میرے سپرد کریں۔" فرید نے خود اعتمادی سے کہا۔

حسن خاں اپنے ننھے خود اعتماد بیٹے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تمہارے ابھی کھیل کود کے دن ہیں، بیٹا! خوب کھیلو اور جسم کو مضبوط بناؤ۔ جب تم ملازمت کے قابل ہو جاؤ گے، میں خود تمہیں ساتھ لے جا کر کوئی اچھی سی خدمت لے دوں گا۔"

"میں سارا دن کھیلنے سے اکتا جاتا ہوں، ابو جان! میں چاہتا ہوں مسندِ عالی میرے سپرد کوئی کام کریں اور پھر میں اسے قابلیت اور محنت سے پورا کر کے دکھاؤں۔ میں دیکھتا ہوں اکثر لوگ اپنے کام فرض شناسی سے سرانجام نہیں دیتے۔"

حسن خاں زور سے ہنسا اور پھر فرید کے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دے کر باہر جانے کیلئے مڑا۔ فرید بھاگ کر ماں کے پاس پہنچا "امی جان! حضرت ابو جان سے کہیئے، مجھے آج اپنے ساتھ مسندِ عالی کی خدمت میں لے جائیں"۔

"تم خود کیوں نہیں کہتے؟"

"میں نے کہا تھا مگر وہ نہیں مانے"

تو میرے کہے سے مان جائیں گے؟"

"کیوں نہیں؟"

ماں فرید کے ساتھ خاوند کے پاس آئی۔

"اگر آپ میرے بیٹے کو اپنے ساتھ لے جائیں تو کیا اس میں آپ کا کیا حرج ہے؟"

"تم بھی بچے کے ساتھ بچہ بن گئی ہو۔ تم چاہتی ہو وہاں سب لوگ مجھ پر ہنسیں؟"

"واہ! اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔ خدانخواستہ میرا بیٹا کوئی بری بات نہیں کہتا۔ ٹھیک ہے ابھی فرید بہت چھوٹا ہے۔ اسے کوئی ذمہ داری کا کام نہیں سونپا جا سکتا۔ مگر اس سے مسندِ عالی پر یہ تو ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا خاندان ان کی خدمت کے جذبہ سے کس قدر سرشار ہے۔ علاوہ ازیں مسندِ عالی کے دل میں ابھی سے فرید کے متعلق اچھے تاثرات جگہ پا جائیں گے۔ اور یہ چیز آئندہ چل کر اس کے لئے مفید ثابت ہوگی۔"

حسن خاں خاموش ہو گیا اور بیٹے کی ضد اور بیوی کے کہنے سننے پر فرید کو اپنے ساتھ مسندِ عالی عمر خاں کی مجلس میں لے گیا۔ مسندِ عالی ——— سلطان بہلول لودھی کے خاص مشیروں میں سے تھا اور خانِ اعظم کا خطاب رکھتا تھا۔ مسندِ عالی کا تاتار خاں کی وفات کے بعد پنجاب کی اہم صوبیداری بھی اسی کے سپرد تھی۔

"غلام زادہ پابوسی کے لئے حاضرِ خدمت ہوتا ہے۔" حسن خاں نے اپنے ننھے بیٹے کو

مسندِ عالی کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

مسندِ عالی چاق و چوبند اور متین فرید کو دیکھ کر مسکرایا۔

"مقصود میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے سپرد کوئی خدمت کریں تاکہ میں اسے قابلیت اور محنت سے سرانجام دوں۔"

مسندِ عالی بہت خوش ہوا۔ "ہمیں تم ہی جیسے بہادر اور فرض شناس بچوں کی ضرورت ہے۔ تم اپنے آپ کو ہماری ملازمت میں سمجھو۔ آج سے تمہیں مہولی کا گاؤں جاگیر میں دیا جاتا ہے وقت آنے پر تمہاری خدمات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔"

فرید جھک کر آداب بجا لیا۔

مسندِ عالی نے اس گاؤں کا فرمان فرید کے نام لکھوا دیا۔

فرید وہ فرمان لے کر خوشی خوشی ماں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امی جان! امی جان! دیکھئے خانِ اعظم نے مجھے ایک گاؤں کا فرمان لکھ دیا ہے۔ یہ سب آپ کی دعا اور کوشش سے ہوا ہے۔ ورنہ ابو جان تو مجھے ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔"

ماں نے فرطِ مسرت سے اپنے ہونہار بچے کو چھاتی سے لگا لیا اور فخر سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"میرا بیٹا ایک دن بڑا آدمی بنے گا اور افغان قوم اس پر فخر کرے گی۔"

یہ تھا فرید جو آگے چل کر شیر شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ان دنوں شیر شاہ کا باپ حسن خان مسندِ عالی عمر خان کی ملازمت میں تھا اور اسے پرگنہ شاہ آباد (سرکار سرہند) کے چند دیہات بطور جاگیر ملے ہوئے تھے۔

شیر شاہ کے آباؤ اجداد علاقہ روہ (افغانستان) کے رہنے والے تھے کہتے ہیں غوریوں کے عروج کے زمانہ میں غوری خاندان کا ایک شاہزادہ محمد سور نامی کسی خانگی نزاع کی بنا پر اپنے وطن سے آکر علاقہ روہ میں آباد ہو گیا تھا۔ ان دنوں روہ کے افغانی قبائل اپنی لڑکیاں غیر خاندان میں بیاہنا معیوب سمجھتے تھے۔ مگر شاہزادہ محمد سور کے اخلاق اور مردانگی نے انھیں اس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے اس کے سلسلہ نسب کی تحقیق کرنے کے بعد اسے رشتہ دے دیا۔ اس شاہزادہ کی اولاد اپنے باپ کی نسبت سے سوری کہلائی اور علاقہ روہ میں دوسروں سے معزز ٹھہری۔

جب سلطان بہلول لودھی سریرآرائے سلطنتِ دہلی ہوا۔ اس وقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کئی ایک آزاد اور خود مختار حکمران موجود تھے۔ مگر جونپور کا سلطان حسین ان سب میں طاقتور تھا۔ ایک بار جب سلطان بہلول لودھی حاکم ملتان شیخ یوسف کی مدد کے لئے عازمِ ملتان ہوا تو اس کی عدم موجودگی میں سلطان جونپور نے موقع پا کر دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ بہلول لودھی نے سوچا ہندوستان کے امرا پر تو پورا انحصار کیا نہیں جا سکتا، کیوں نہ میں روہ سے اپنے قبیلے کے سرداروں اور جوانوں کو منگوا لوں۔ ان کی معاش کا بندوبست ہو جائے گا اور مجھے قابلِ اعتماد ساتھی مل جائیں گے۔ یہ سوچ کر اس نے انہیں اس مضمون کے فرمان بھیج دئیے۔ "اس وقت دہلی کے محاصرہ کے باعث میری سلطنت اور افغانوں کی عزت خطرہ میں ہے۔ آپ لوگ فوراً دہلی پہنچیں۔" وہ سب سردار اپنے لاؤ لشکر سمیت پہنچ گئے۔ سلطان حسین ان کی آمد کی خبر سنتے ہی محاصرہ اٹھا کر چل دیا۔ بہلول لودھی اپنی تدبیر کی کامیابی پر بہت خوش ہوا۔ اس نے ان افغان سرداروں کو جاگیروں اور عہدوں کی پیشکش کی مگر وہ یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ "ہم یہاں اپنے جسم اور زخم بیچنے نہیں آئے تھے۔ ہم تو قومی حمیت کے باعث آئے تھے۔ چونکہ افغان قوم کو خطرہ تھا، ہم یہاں آ گئے۔ اب خطرہ دور ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم جاتے ہیں۔ چنانچہ بیشتر سردار اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ مگر سلطان بہلول لودھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کی حکومت کے قیام و استحکام کا انحصار صرف اس چیز پر ہے کہ وہ اپنے سابق وطن کے افغانوں کو یہاں آباد کرے تاکہ ضرورت کے وقت وہ اس کے دست و بازو بنیں اور اسے ان پر پورا بھروسا ہو۔ چونکہ ان افغانوں کا مستقبل اس کی حکومت کے ساتھ وابستہ ہوگا۔ اس لئے ہر ہندوستانی فرمانروا کے مقابلہ میں لازماً اس کا ساتھ دیں گے۔ اس وقت سے سلطان بہلول لودھی کی حکومت کی یہ پالیسی بن گئی کہ علاقہ روہ کے افغانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ زیادہ تعداد میں یہاں آکر آباد ہوں چنانچہ اس نے حکم دے دیا کہ علاقہ روہ سے آنے والے افغانوں کو زیادہ سے زیادہ جاگیریں، عہدے اور مراعات دی جائیں اور جو شخص وہاں سے آجائے اسے بے روزگاری کے باعث واپس جانے نہ دیا جائے۔ اس پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ علاقہ روہ کے افغانوں نے جوق در جوق ہندوستان آنا شروع کر دیا۔

اسی زمانہ میں شیر شاہ کا دادا ابراہیم خان سور اپنے بیٹے حسن خان کے ہمراہ ہندوستان وارد ہوا۔ پہلے مہابت خان سور جاگیردار ہریانہ کی ملازمت اختیار کی اور بجواڑہ میں سکونت پذیر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سے ملازمت چھوڑ کر حصار فیروزہ میں جمال خان سارنگ خانی کے پاس آ گیا۔ جمال خان نے اسے پرگنہ نارنول میں چند دیہات بطور جاگیر دے کر چالیس سواروں کا جاگیردار مقرر کر دیا۔ یہیں سلطان بہلول لودھی کی حکومت کے اواخر (غالباً ۸۸۶ھ) میں حسن خان کے ہاں وہ لڑکا پیدا ہوا جو ہماری اس کتاب کا موضوع ہے۔ ماں باپ نے اس کا نام فرید خان رکھا۔ شجاعت نے اسے شیر خان کا خطاب دلایا اور دنیا سے اس نے شیر شاہ عادل کے نام سے خراجِ تحسین وصول کیا۔

فرید خان کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد فرید خان کے باپ حسن خان نے اس وقت کے دستور کے مطابق اس دور کے ایک مقتدر امیر خانِ اعظم مسندِ عالی عمر خان کی ملازمت اختیار کر لی۔

چند سال بعد ابراہیم خان نے نارنول میں وفات پائی۔ حسن خان نے اس وقت اپنی جاگیر واقع پرگنہ شاہ آباد (سرہند) پر تھا اور مسندِ عالی شاہی لشکر کے ساتھ تھا۔ حسن خان نے باپ کی وفات کی خبر سنی تو پریشان ہوا۔ دستور کے مطابق باپ کی جاگیر پر اس کا حق تھا۔ مگر وہ مسندِ عالی کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا اگر مسندِ عالی میری جاگیر میں اضافہ کر دے تو میں ان چالیس سواروں کو بھی یہیں لے آؤں۔ کئی برس سے مسندِ عالی کی خدمت میں ہوں۔ وہ میری خدمات سے خوش ہے۔ نارنول جاؤں تو خدا جانے وہاں کے حاکم کے ساتھ بنے نہ بنے یہ سوچ کر لشکرِ شاہی میں پہنچا اور مسندِ عالی کی خدمت میں اپنے باپ کی وفات کی خبر گوش گزار کر کے عرض کیا:

"میں آبائی جاگیر کی خاطر آپ کی ملازمت چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپ کی اجازت ہو تو میں مرحوم بابا جان کے چالیس سواروں کو بھی یہیں لے آؤں۔"

مسندِ عالی نے پہلے تو اس کے باپ کی وفات پر اس سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ پھر کہا: "بے شک تمہارا جذبہ قابلِ قدر ہے۔ مگر یہ جاگیر جو میں نے تمہیں دے رکھی ہے۔ یہ تو تمہارے لئے بھی کافی نہیں۔ ان چالیس سواروں کو کہاں سے کھلاؤ گے؟ بہتر یہی ہے کہ اپنے باپ کی جاگیر پر چلے جاؤ۔"

حسن خان نے عرض کیا: "آپ بجا فرماتے ہیں مگر آپ کی ملازمت چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میں آپ کی طبیعت سے واقف ہو چکا ہوں۔ آپ مجھے جانتے ہیں۔ نئی جگہ معلوم نہیں کیا حالات پیش آئیں؟"

"نارنول میں تمہیں کیا خدشہ ہے! جمال خان سارنگ خانی اپنا عزیز ہی تو ہے۔ میں

اسے کل ہی بلاکر تجھے اس کے سپرد کردیتا ہوں۔ تم آج یہیں ٹھہرو۔"

دوسرے روز مسندِ عالی نے جمال خاں کو بلایا ـــــ اور حسن خاں کو اس کے سپرد کردیا "جمال خاں! یہ میرا اپنا آدمی ہے۔ اس نے کئی برس وفاداری سے میری خدمت کی ہے۔ اس کے باپ کی جاگیر تیرے صوبہ میں تھی۔ وہ فوت ہوگیا ہے۔ یہ اب تیرے حوالے ہے۔ اس کی قدر کرکے مجھے ممنونیت کا موقع دینا۔"

"آپ بے فکر رہیں" جمال خاں نے جواب دیا۔ "میں اسے ابھی نارنول کی جاگیر کا فرمان لکھ دیتا ہوں۔"

جمال خاں نے اسی وقت حسن خاں کو اس کے باپ کی جاگیر کا فرمان لکھ دیا اور اس میں اپنی طرف سے چند دیہات کا اضافہ بھی کردیا۔

"اب تو خوش ہو۔ میاں حسن!" مسندِ عالی نے اپنے سابق سردار کو گھوڑا اور جوڑا دے کر رخصت کرتے ہوئے کہا۔

اس اثنا میں سلطان بہلول لودھی نے وفات پائی اور اس کی جگہ سلطان سکندر لودھی سریر آرائے سلطنتِ دہلی ہوا۔ ۸۹۶ھ میں جب اس نے اپنے بڑے بھائی باربک شاہ سے جونپور کی ولایت واپس لی تو اسے حسن خاں کے مربی جمال خاں سارنگ خانی کے حوالہ کر کے اسے حکم دیا کہ وہ بارہ ہزار سوار کا انتظام رکھے۔ اب حسن خاں کا ستارہ چمکا۔ جمال خاں اس کی خدمت گزاری سے خوش تو تھا ہی، اسے جونپور کی جاگیر ملی تو اس نے حسن خاں کو سہسرام حاجی پور اور خواص پور ٹانڈہ کے علاقے جاگیر میں دے کر اسے شاہی سند کے ذریعے پانچ صد سواروں کا جاگیردار مقرر کرا دیا۔

اس کے بعد حسن خاں نے سہسرام میں سکونت اختیار کرلی۔ یہیں شیر شاہ کا بچپن گزرا اور اسی جگہ اب اس کا مدفن ہے۔

دُور اندیش نوجوان

"فرید خاں! تمہارے بابا کا خط آیا ہے"۔ امیر جمال خاں سارنگ خانی صوبیدار جونپور نے کہا۔

"باباجان نے اپنے عریضہ میں کیا لکھا ہے حضور!" نوجوان فرید نے ادب سے دریافت کیا۔

"لکھتے ہیں فرید مجھ سے بلاوجہ ناراض ہوکر آپ کی خدمت میں چلا گیا ہے وہاں چلے جانے سے اس کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ رک گیا ہے۔ میں اسے اعلیٰ دینی اور سیاسی تعلیم دینا چاہتا ہوں۔ ازراہِ کرم اسے یہاں بھجوا دیجئے۔"

"حضور جانتے ہیں دینی درسگاہوں کے معاملہ میں سہسرام، جونپور کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہاں ان دنوں وقت کے بلند پایہ علماء تشریف رکھتے ہیں اور یہ جگہ دینی علوم کا مرکز ہے۔ جو علم یہاں رہ کر حاصل کیا جاسکتا ہے وہ سہسرام میں کہاں نصیب ہوسکتا ہے اور آپ دیکھتے ہیں میں اپنا وقت ضائع بھی نہیں کرتا بلکہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا کر دن رات تحصیلِ علم میں مصروف رہتا ہوں۔ گلستان، بوستان اور سکندر نامہ ختم کرچکا ہوں۔ آجکل قبلہ قاضی شہاب الدین صاحب سے عربی صرف و نحو پڑھ رہا ہوں۔ تاریخی اور سیاسی کتب بھی زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ جو وقت بچتا ہے اسے آپ کی خدمت میں بسر کرتا ہوں تاکہ سیاسی اور ملکی امور کا فہم حاصل ہو جائے۔ نہ سیاست سیکھنے کے لئے آپ کے آستانہ سے بہتر کوئی اور آستانہ مل سکتا ہے اور نہ علم حاصل کرنے کے لئے جونپور سے بہتر کوئی اور جگہ ہے۔ میں سہسرام جاکر کیا کروں گا۔ مجھے یہیں حضور کے زیرِ سایہ دن گزارنے کی اجازت دیجئے تو میرے لئے عین سعادت ہوگی۔"

"جیسے تمہاری مرضی"۔ امیر جمال خاں نے کہا۔ وہ پہلے ہی نوجوان فرید خاں کی لیاقت فراست، شرافت اور متانت کے باعث اس کی قدر کرتا تھا۔ وہی نہیں بلکہ جونپور کے تمام افغان اسے قدردانی کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس سے محبت سے پیش آتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

حسن خاں کے آٹھ بیٹے تھے۔ فرید خاں اور نظام خاں پہلی بیوی سے جو افغان تھی: علی خاں اور یوسف خاں دوسری بیوی سے۔ خرم خاں اور شادی خاں تیسری بیوی سے اور سلیمان خاں اور احمد خاں چوتھی بیوی سے جو کنیز تھی۔

آخری عمر میں حسن خاں کی چوتھی بیوی اس پر پوری طرح چھا چکی تھی۔ اور وہ دن رات اسی کا دم بھرتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ بڑھاپے کا عشق بے وقوف بنا دیتا ہے کنیز نے اپنے خاندانی نہ ہونے کی کمی کو اس طرح پورا کیا کہ اپنے حسنِ صورت اور حسنِ تدبیر سے بوڑھے حسن کو اپنا بندۂ بے دام بنالیا اور نہ صرف اسے باقی بیویوں سے الگ بلکہ ان کی اولاد سے بھی برگشتہ کردیا۔ اب حسن خاں صرف اس کا اور اس کی اولاد کا ہو کے رہ گیا۔

دوسری طرف فرید خاں بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے اپنے تئیں باپ کی جاگیر کا وارث تصور کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا باپ اپنی پیری کے زمانہ میں اسے جاگیر کے انتظام کا موقع دے تاکہ اسے تجربہ حاصل ہو اور وہ اپنے حسنِ انتظام اور قابلیت سے رعیت اور امیر دونوں کو متاثر کرکے اپنے مستقبل کو زیادہ تابندہ بناسکے۔ کنیز چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا جاگیر کا وارث ہو اس لئے وہ فرید کو آگے نہیں آنے دیتی تھی تاکہ اس کا حق نہ بن جائے یا رعیت یا امیر کے ساتھ براہِ راست تعلقات قائم کرکے وہ انھیں متاثر نہ کرلے۔ حسن خاں نے اپنی جاگیر کی تقسیم کی تو فرید کے مقابلہ میں سلیمان اور اس کے بھائی کو زیادہ حصہ دیا۔ حالانکہ قانونِ وقت کے مطابق بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے فرید کا ساری جاگیر پر حق تھا۔ اس واقعہ سے فرید بہت بے دل ہوا اور سہسرام چھوڑ کر جونپور آگیا۔ جہاں اس کے باپ کے محسن اور مربی امیر جمال خاں سارنگ خانی نے اسے خوشی سے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

حسن خاں کے احباب و اقربا کو معلوم ہوا تو وہ اس کے پاس پہنچے۔ اور اسے سمجھایا کہ کنیز کی خاطر فرید خاں جیسے ہونہار بیٹے کو ناراض کردینا نہ صرف افغانی روایات کے خلاف ہے بلکہ تدبر اور دور اندیشی کے بھی منافی ہے۔ ان کو سمجھانے پر حسن خاں نے جمال خاں سارنگ خانی کی خدمت میں اس مطلب کا عریضہ لکھا کہ وہ فرید خاں کو اس کے پاس سہسرام بھیج دیں مگر فرید خاں نے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں ـــــ واپس جانے سے انکار کردیا اور جونپور رہ کر اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل میں لگا رہا۔

اس طرح چند برس اور گزر گئے۔

ایک روز حسن خاں اپنے محسن و مربی جمال خاں کی ملاقات کے لئے جونپور آیا۔ وہاں اس کے قیام کے دوران میں وہاں کے تمام افغانوں نے، جن میں بیشتر اس کے رشتہ دار اور دوست تھے۔ اس کے سامنے فرید خاں کی قابلیت، شرافت اور محنت کی تعریف کی اور اسے ایسے ہونہار بیٹے کا باپ ہونے پر مبارکباد پیش کی اور اسے سمجھایا کہ فرید خاں اس وقت تمام افغان قوم کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اسے بھی اس جوہر نایاب

کی قدر کرنی چاہیئے اور کنیز کی باتوں میں آکر اسے یوں گنوا نہیں دینا چاہیے بلکہ اس کے سپرد اپنی جاگیر کا انتظام کرنا چاہیئے تاکہ تجربہ سے اس کی قابلیت کو جلا ملے اور اس میں زیادہ ذمہ دار عہدوں کو سنبھالنے کی اہلیت پیدا ہو۔

حسن خاں نے کہا: "میں نے اسے سہسرام بلایا تھا مگر وہ نہ آیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے پہلے بھی اسے جاگیر میں سے حصہ دیا تھا۔ مگر وہ اسے چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔"

اتنے میں ایک خرقہ پوش درویش وہاں سے گزرا اور حسن خاں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "چرا پادشاہ دہلی را دلگیری کنی؟"

درویش یہ کہہ کر چلتا بنا اور افغان حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

حسن خاں نے اپنے عزیزوں سے کہا "تم فرید کو میرے پاس لے آؤ۔ میں سہسرام اور خواص پور دونوں پرگنوں کا انتظام اس کے سپرد کر دوں گا۔"

افغان معززین فرید خاں کے پاس گئے۔

اس نے کہا "آپ کا آنا سر آنکھوں پر۔ آپ سب میرے بزرگ ہیں۔ میں ابوجان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔ اور آپ کے کہنے کے مطابق ان دو پرگنوں کا انتظام بھی اپنے ذمہ لے لوں گا۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ ابوجان ہماری سوتیلی والدہ کا کس قدر اثر ہے۔ آج وہ آپ کے کہنے سننے سے یہ دونوں پرگنے میرے سپرد کر دیں گے مگر کل پھر اس کی باتوں میں آکر مجھے وہاں سے نکال دیں گے۔ اس لئے ایسی صورت میں میرا وہاں جانا بے معنی ہے۔"

"تم ہمارے ساتھ چلو تو سہی" انہوں نے کہا "اور فی الحال ان پرگنوں کا انتظام سنبھالو تاکہ تمہاری قابلیت کو عمل میں آنے کا راستہ ملے اور یہ تجربہ سے مرصع ہو۔ اول تو ایسی امید نہیں۔ لیکن اگر آئندہ کبھی ایسی صورت ہوئی تو ہم بھی یہیں ہوں گے۔ ہم پھر حسن خاں کو سمجھا لیں گے۔"

غرض وہ فرید خاں کو اپنے ساتھ لے آئے اور اسے باپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حسن خاں نے اپنے بیٹے میں نمایاں تبدیلی دیکھ کر دل میں خوش ہوا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ باپ بیٹوں کا ملاپ ہو گیا اور دونوں سہسرام واپس آ گئے۔

حسن خاں کی کنیز بیوی کو یہ بات پسند تو نہ آئی مگر مصلحتاً خاموش رہی۔

چند ماہ بعد ہی حسن خاں نے فرید کو جاگیر پر بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے دست بستہ عرض کیا:

میرے ذہن میں جاگیر کے انتظام سے متعلق چند باتیں ہیں۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔"

ضرور، ضرور" حسن خاں نے کہا۔

"ابوجان! میں بچپن سے رعیت کی زبوں حالی کے اسباب پر غور کرتا رہا ہوں میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کسی ملک کی حالت اس وقت تک بہتر نہیں ہو سکتی جب تک وہاں زراعت و تجارت کو ترقی نہ ہو۔ وہی ملک آباد ہو گا۔ جہاں زراعت و تجارت کو تحفظ اور سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس علاقے کا نظم و نسق بہتر بنایا جائے اور وہاں قانون عدل جاری کیا جائے اور اسے سختی سے نافذ کیا جائے کسی کی رو رعایت نہ ہو بلکہ جو بھی قانون کی خلاف ورزی کرے اس کے خلاف سخت کاروائی کی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حاکم براہِ راست مظلومین کے حالات سے آگاہی حاصل کرے اور عدالت کے تاج کو سیاست و ظالموں کے خلاف کاروائی کرنے کی ندری سے سیراب کرتا ہے کیونکہ ملک عدل کے بغیر اور عدل سیاست کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ مملکت کا انتظام تب ہی ہو سکتا ہے جب قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے۔ فتنے کا غبار فرو کرنے کی یہی ایک صورت ہے۔

"ان دونوں پرگنوں میں جہاں آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ بیشتر جاگیردار اور ملازم ہمارے رشتہ دار ہیں۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ ان میں سے بعض جاگیردار اور مقدم رعیت پر ظلم روا رکھتے ہیں۔ میں پہلے انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ اس طرح مان جائیں تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن اگر ظلم و ستم ان کی طبیعت ثانی بن چکا ہے اور وہ میرے منع کرنے کے باوجود اس پر مصر رہیں تو پھر میں ان کا لحاظ نہیں کروں گا۔ بلکہ انہیں ایسی سزا دوں گا کہ دوسرے ان سے عبرت حاصل کریں۔ ظالم شخص انہی کا دشمن نہیں جن پر وہ ظلم روا رکھتا ہے بلکہ وہ دراصل حکومت کا دشمن ہے کیونکہ وہ ملک کو ویران اور نظم حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کرتا ہے۔ ہمارے عزیز و اقربا کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں اور ان کی خدمت پر انہیں انعام سے نوازیں۔ لیکن انہیں یہ حق ہرگز نہیں کہ وہ رعیت پر ظلم کریں۔ اگر ایسا کریں تو پھر وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ اگر ظالموں کو کھلی چھٹی دے دی جائے تو اس سے نہ صرف نظم حکومت میں خلل واقع ہو جاتا ہے بلکہ حاکم پر سے رعیت کا اعتبار بھی اٹھ جاتا ہے۔ لوگوں کو اطمینان نہیں رہتا اس لیے وہ ایک جگہ جم کر نہیں بیٹھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجارت اور زراعت تباہ ہو جاتی ہے جس سے ملک ویران اور خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور حکومت کا سارا ڈھانچا زمین پر آ رہتا ہے۔

"میں ان خیالات سے جاگیر پر جا رہا ہوں۔ جو لوگ ظلم سے باز نہیں آئیں گے اور قانون کی مخالفت کریں گے۔ مجھے لازماً ان کے خلاف سخت کاروائی کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے مجھے ان میں سے بعض کو ان کی جاگیروں سے بھی الگ کرنا پڑے۔ اس صورت میں وہ آپ کے پاس دوڑے دوڑے آئیں گے۔ اور آپ کو اپنے پرانے تعلقات کا واسطہ دے کر اپنی حمایت پر آمادہ کرنا چاہیں گے۔ اگر آپ نے ایسے ظالموں کی سرپرستی کی اور انہیں سزا سے بچایا تو پھر جاگیر کا انتظام درست نہیں ہو سکے گا۔

"میں اسی صورت میں جاگیر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لوں گا۔ جب آپ کی طرف سے مجھے سیاہ و سفید کے پورے اختیارات حاصل ہوں ۔۔۔ ہاں اگر میں کوئی ناروا بات کروں یا کسی پر زیادتی کروں تو آپ مجھے سرزنش کر سکتے ہیں۔"

حسن خاں اپنے قابل بیٹے کی تقریر سے مسرور ہوا "میں تمہیں پورے اختیارات دے کر جاگیر پر بھیج رہا ہوں۔ اور تمہاری قابلیت، اعلیٰ کردار، دیانت داری اور جرأت سے مجھے توقع ہے کہ تم تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کے بگڑے ہوئے حالات پر قابو پا لو گے۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے اور تمہارے ساتھ نہ صرف میری بلکہ تمام افغان قوم کی امیدیں وابستہ ہیں۔ بیشک عدل ہی سے ملک آباد اور خزانہ معمور ہو سکتا ہے۔ مگر عدل کو تو ہم لوگ آج کل بالکل بھلا ہی چکے ہیں۔"

"میں دنیا کو یہ بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کرا دوں گا۔" فرید خاں نے پورے اعتماد سے کہا۔

بوڑھا باپ اپنے نوجوان فرزند سے بغل گیر ہوا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے رخصت کیا۔

فرید خاں جاگیر پر پہنچا تو اس نے وہاں پہنچتے ہی تمام سپاہیوں، مقدموں، پٹواریوں اور مزارعوں کو طلب کیا۔ اور ان سے یوں گویا ہوا۔

"ابو جان نے ان دونوں پرگنوں کا انتظام میرے سپرد کیا ہے اور آپ لوگوں کے تقرر اور برطرفی کے اختیارات بھی مجھے عطا فرمائے ہیں۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ یہ ملک آباد اور خوشحال ہو۔ یہاں کی زراعت و تجارت میں ترقی ہو۔ اس میں آپ لوگوں کا فائدہ ہے اور میری نیک نامی۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ آپ اس بارہ میں مجھ سے تعاون کریں۔"

"میں اس علاقہ میں عدل کا قانون قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہاں ظلم و تعدّی کا نام و نشان تک مٹ جائے۔ اب نئے سال سے تمام ناجائز محصول ختم سمجھے جائیں۔ آج تک جو ہُوا سو ہُوا۔ اب کسی جاگیردار یا مقدم کو رعیت پر ظلم و تعدّی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کسی ملازم نے رعیت سے گھاس کا ایک تنکا بھی بطریق ظلم حاصل کیا ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔ اس میں کسی کی رو رعایت نہیں کی جائے گی۔ خواہ وہ میرا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو بلکہ قریبیوں کو زیادہ سزا ملے گی تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

"رعیت کو اختیار ہے چاہے وہ محصول نقدی میں دیں چاہے جنس میں۔ اگر ان پر کوئی تعدّی کرے تو وہ سیدھے میرے پاس آئیں۔ میں انشاء اللہ ہر ایک کی بات سنوں گا اور اس کی شکایت دور کروں گا۔

"سب لوگ سن لیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس پر پورا پورا عمل ہوگا اور میری طرف سے جو وعدہ ہوگا اسے ضرور پورا کیا جائے گا۔"

اس کے بعد اس نے جریبانہ، مخلصانہ اور محصلوں کی خوراک تک خود مقرر کی اور سب کے روبرو اس کا اعلان کر دیا اور ملازموں کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا کہ جو کچھ وہ مقررہ محصول سے زیادہ وصول کریں گے۔ بوقتِ حساب انہیں وہ رقم مجرا نہیں دی جائے گی۔ اور سال کے آخر میں حساب اس کے اپنے روبرو ہوگا تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور ذاتی منفعت کی خاطر لوگوں سے زیادہ رقوم وصول نہ کریں۔

ان ضروری ہدایات اور انتظامات سے فرصت پا کر فرید خاں نے شقہ داروں کو طلب کیا۔ ان پر بھی اپنے خیالات واضح کئے اور انہیں اپنی پالیسی سے آگاہ کیا۔ انھیں یقین دلایا کہ اگر وہ اس کی ہدایات کے مطابق چلیں گے تو انعام و اکرام کے مستحق ٹھہریں گے اور اگر وہ ان کی خلاف ورزی کریں گے تو ان سے کوئی رو رعایت نہیں کی جائے گی۔ بلکہ انہیں سخت سزا دی جائے اور وہ کسی سفارش یا رشوت سے اپنے آپ کو اس سزا سے بچا نہیں سکیں گے۔

"ہم بدل و جان آپ کے اس طریق کار سے متفق ہیں اور اسے عملی جامہ پہنانے میں پوری کوشش کریں گے۔" سب شقہ داروں نے اسے یقین دلایا۔

"آپ لوگوں کو کوئی تکلیف یا شکایت ہو تو بیان کیجئے" فرید خاں نے کہا۔

"عالیجاہ! ان پرگنوں میں بعض زمینداروں نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے نہ حاکم کے پاس حاضر ہوتے ہیں نہ اپنے محاصل ادا کرتے ہیں۔ بلکہ ارد گرد کے دیہات میں بھی لوٹ مار کرتے ہیں۔" بعض شقہ داروں نے عرض کیا۔

"انھیں کیسے درست کیا جا سکتا ہے؟" فرید خاں نے پوچھا۔

"لشکر کے ذریعے" مختصر جواب ملا۔

"لشکر تو اس وقت بابا جان کے ہمراہ ہے" فرید خاں بولا۔

"پھر لشکر کے آنے تک انتظار کر لیجئے۔"

"انتظار میں نہیں کر سکتا۔ میں سرکشی اور ظلم کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایسی برداشت کی مجھ میں تاب نہیں۔" نوجوان حاکم نے تنک کر کہا۔

شقہ دار حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، آخر بولے:

"آپ مالک ہیں۔ ہم آپ کے ذہنِ رسا کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ جو طریق کار اختیار کریں گے ہمیں وفادار پائیں گے۔"

فرید خاں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انھیں رخصت کیا۔

اب فرید خاں نے یہ معلوم کیا کہ اس علاقہ میں کتنے ایسے جوان آدمی ہیں جو ملازمت میں نہیں۔ پتا چلا دو سو کے قریب۔ اس پر اس نے حکم دیا کہ دو سو زین مہیا کئے جائیں۔ زین مہیا کر کے اس نے ان آدمیوں کو طلب کیا اور ان سے یوں مخاطب ہُوا:

"بعض مفسد اور شر پسند زمینداروں نے تمہارے اس علاقہ میں اودھم مچا رکھا ہے۔ نہ خلقِ خدا کو چین سے بیٹھنے اور اطمینان سے کام کرنے دیتے ہیں اور نہ اپنے محاصل باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ جب تک انھیں قابو میں نہ لایا جائے گا علاقہ میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ لشکر اس وقت یہاں نہیں۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ جن لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں انھیں گھوڑے میری طرف سے مہیا کئے جائیں گے۔ جوانوں کی خوراک اور لباس میرے ذمہ ہوگا جو مالِ غنیمت ملے گا اس پر آپ لوگوں کا حق ہوگا۔ جو لوگ بہادری سے اپنے فرائض سر انجام دیں گے انہیں میں بابا جان سے کہہ کر ملازمت بھی دلا دوں گا۔"

جوان اس کام میں نہایت شادکام ہوئے۔ "آپ کے قدموں کے نیچے جان دینا ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ ہماری طرف سے انشاء اللہ کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔"

ملازمین اور عوام الناس سے براہِ راست تعلقات قائم کرنے اور ان سے مشورہ کر کے سیاسی امور کے فیصلے کرنے اور ان فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کا تعاون حاصل کرنے کا طریقہ فرید خاں نے آخری عمر تک رکھا اور اس کی کامیابی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اس کی یہ عادت تھی۔

ابھی گھوڑے حاصل کرنے باقی تھے۔ اس کی یہ تدبیر کی کہ رعیت سے کہا کہ تمہارے علاقہ میں امن و امان قائم کرنے کے لئے فوری طور پر گھوڑوں کی ضرورت ہے تم اس کام کے لئے اپنے گھوڑے مستعار دے دو۔ کام سر انجام دینے کے بعد تمہارے گھوڑے تمہیں واپس کر دئے جائیں گے۔ جن کے گھوڑے کام آ جائیں گے انہیں ان کی جگہ اور گھوڑے مہیا کر دیئے جائیں گے۔ رعیت نے خوشی خوشی گھوڑے پیش کر دیئے۔ زین موجود تھے۔ جوان سوار ہو کر سارے ملک میں پھیل گئے اور مفسدوں کی سرکوبی کرنے لگے۔

بہت سے سرکش زمیندار مقابلہ کی تاب نہ لا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ ان کا مال مولیشی جوانوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بال بچے فرید خاں نے اپنے پاس منگوا لئے۔ اس کے بعد اعلان کر دیا کہ جو زمیندار اپنے بقایا محاصل ادا کریں گے ان کے بال بچے ان کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ جو نہیں کریں گے ان کا تعاقب کیا جائے گا۔ چھوڑا کسی کو نہیں جائے گا۔ جن زمینداروں کے پاس انہوں نے پناہ لی تھی انہیں الگ کہا گیا کہ یا انہیں گرفتار کر کے بھیج دو یا اپنی جاگیروں کے بستے ہمارے حوالے کر دو۔

اس جرأت مندانہ پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے متمرد اور سرکش زمینداروں نے حاضر ہو کر پچھلی غلطیوں کی معافی مانگ لی اور آئندہ کے لئے نیک چلن رہنے کا یقین دلایا مگر فرید خاں محض باتوں سے پرچنے والا نہ تھا۔ اس نے کہا "معافی اس شرط پر مل سکتی ہے کہ حاضر ضمانت پیش کرو تاکہ اگر تم پھر بھاگ جاؤ تو تمہارے ضامنوں سے تمہارے بقایاجات

کی وصولی کی جاسکے۔ پھر مقدموں کو تمام واجب الادا رقوم ادا کرو۔ اس کے بعد تمہارے بچہ وزن تمہیں واپس کئے جائیں گے۔"

بہت سوں نے حاضر ضمانتیں داخل کردیں اور بقایا جات ادا کرکے اپنے بال بچوں کو لے گئے اور آئندہ باامن زندگی بسر کرنے لگے۔

لیکن بعض سرکشی پر اڑے رہے۔ ان کا خیال تھا "نیا نیا حاکم آیا ہے۔ جوانی کا جوش ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جوش نکل جائے گا تو پھر یہ بھی باقی حاکموں کی طرح کاہل اور عیش پسند ہوکر انتظامی امور سے غافل ہوجائے گا اور ہم بدستور اپنی من مانی کرتے رہیں گے۔" مگر یہ نوجوان اور مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک بلند نصب العین تھا۔ اور وہ غور و فکر سے اپنے لئے ایک راستہ منتخب کرچکا تھا۔

اب اس نے سرکش زمینداروں کے مقابلہ کی ٹھانی۔

پہلے تو اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ سو کی جمعیت سے وہ ان مفسد زمینداروں کو پوری طرح قابو میں نہیں لاسکتا کیونکہ وہ اکثر بھاگ کر قریبی جنگلوں میں پناہ گزین ہوجاتے تھے۔ جہاں سے انہیں نکالنے کے لئے زیادہ آدمی درکار ہوتے تھے چنانچہ اس نے ایک اور حاکم کے ذریعے سے ہر گاؤں کے نصف آدمیوں کو طلب کرلیا اور نصف کو زراعت اور کاروبار کے لئے گھروں پر رہنے دیا۔ اس طرح سواروں اور پیادوں کی ایک کثیر تعداد جمع کرکے وہ خود ان سرکشوں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ جس باغی زمیندار کے گاؤں میں جاتا گاؤں سے ایک کوس کے فاصلہ پر قیام کرکے پہلے وہاں اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے خام قلعہ تیار کراتا اور قلعہ کی تیاری میں خود شریک ہوتا۔ اس کے بعد گاؤں پر حملہ کرکے سرکش زمینداروں کے مال مویشی اپنے قبضہ میں کرلیتا اور ان کے زن و بچہ اپنے پاس منگوا بھیجتا۔ پھر اس گاؤں کی پوری ناکہ بندی کرادیتا۔ نہ وہاں کسی کو جانے دیتا نہ وہاں سے کسی کو نکلنے دیتا۔ ساتھ ہی گاؤں کے اردگرد کے جنگلات صاف کرادیتا تاکہ مفسدوں کے چھپنے کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس گاؤں کے متمرد اور سرکش زمیندار حاضر ہوکر معافی مانگتے اور واجب الادا محاصل ادا کرنے پر مجبور ہوجاتے۔ اس طرح صبر و استقلال سے اس نے باغیوں کا ایک ایک گاؤں صاف کردیا اور سرکش سے سرکش زمینداروں کو مجبور کردیا کہ وہ راہ راست اختیار کریں۔

اب ان باغیوں کے ہوش ٹھکانے آئے اور وہ اپنے اپنے وکیلوں کے ذریعے عذر معذرت کرنے لگے۔ مگر فرید خاں سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس نے اپنا رویہ نرم کیا بلکہ ان کے وکیلوں کو جھڑک دیا اور کہا "میں نے ان لوگوں کو کافی مہلت دی تھی مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اب میں ان کو ختم کرکے رہوں گا۔"

یہ سن کر وہ سخت گھبرائے وکیلوں کے ذریعے زیادہ محاصل ادا کرنے کی پیش کش کی۔ فرید خاں نے اسے رشوت کے مترادف سمجھا اور انہیں کہلا بھیجا تم نے ہمارا نرمی کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ اب ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ یہ جواب سن کر ان کے پاؤں تلے سے زمین ہی تو نکل گئی۔

پھر اس ضمن میں اپنے آدمیوں سے بات چیت کی تاکہ وہ کہیں ان زمینداروں کی چاپلوسی کی باتوں سے متاثر نہ ہوجائیں اور انھیں یہ خیال نہ ہو کہ ان کا سردار غیر ضروری سختی سے کام لے رہا ہے۔

"ان سرکشوں کا شیوہ ہے کہ پہلے حاکم کے ساتھ درشتی سے پیش آتے ہیں اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں اگر اسے کمزور پاتے ہیں تو اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے لیکن جب دیکھتے ہیں کہ حاکم زوردار ہے تو اس کے سامنے پیشانی رگڑنا شروع کردیتے ہیں اور اسطرح وقتی طور پر اپنا بچاؤ کرکے بعد میں پھر وہی طور طریقے اختیار کرلیتے ہیں۔ تم جانتے ہو میں نے پہلے انھیں کتنا سمجھایا تھا مگر انہوں نے میری بات کی پروا نہیں کی۔ اب چاہتے ہیں کہ مجھے روپے پیسے کا لالچ دے کر واپس کردیں۔ میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا بلکہ ان کو تہ تیغ کردوں گا اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آباد کروں گا تاکہ ان کے حالات سے دوسرے عبرت پکڑیں۔

" اگر اس وقت میں ان سے روپیہ پیسہ لے کر واپس چلا جاؤں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں نے ان کے ظلم و ستم کرنے کے حق کو تسلیم کرلیا ہے اور انھیں فساد کی کھلی چھٹی ہے وہ جیسے چاہیں رعیت کو تنگ کریں۔ صرف مجھے اپنی اس لوٹ میں سے حصہ دے دیا کریں۔ گویا میں بھی ان کے ظلم و فساد میں حصہ دار ہوگیا۔ اس صورت میں وہ لوگوں کو زیادہ دلیری سے لوٹیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ رعیت دوبارہ ان ظالموں کے ظلم کا شکار ہو۔ اس لیے اب میں ان کو گناہ نہیں بخشوں گا بلکہ ان کو کیفر کردار تک پہنچا کے دم لوں گا۔"

اس طرح اپنے آدمیوں کے ساتھ گفتگو کرکے انہیں پوری طرح اپنے ساتھ رکھا اور ان کے ذریعے سے ظالم اور سرکش زمینداروں کی سرکوبی میں مصروف رہا۔ ایک دو جگہ واقعی نئے آدمیوں کو لاکر آباد کردیا۔ ایسا کرنے سے سب کی آنکھیں کھل گئیں اور ہر طرف امن و امان قائم ہوگیا۔

اب اس نے بنفس نفیس رعیت اور سپاہ کی شکایات سننا شروع کیں۔ ہر ایک سے بلاواسطہ ملتا اور لطف آمیز لہجے میں بات چیت کرتا۔ اگر گفتگو میں کوئی شخص اعتدال سے تجاوز کرجاتا تو فوراً غصے میں آکر اسے دھتکار نہ دیتا بلکہ حوصلے سے برداشت کرتا اور چہرے سے ناراضی کا اظہار نہ ہونے دیتا بلکہ اسے جواب اس طریق سے دیتا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوجاتا۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتا جو کوئی اس کے دروازے پر آجاتا اسے بکڑ دیتا اور حتی الامکان اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ کبر و نخوت سے بیزار تھا۔ اور خوشامد سے اسے دلی نفرت تھی۔

وہ ہمہ وقت چوکس رہتا۔ کاہلی اور غفلت کو نزدیک نہ آنے دیتا۔ اس کا قول تھا "بڑا آدمی وہی ہے جو ہر وقت کام میں مصروف رہے۔" لہو و لعب اور عیش و عشرت سے بیزار تھا۔ کام ہی اس کا عیش تھا اور کام ہی اس کا تفریحی مشغلہ۔ جوانی ہی میں تہجد گزار تھا۔ نماز پنجگانہ اہتمام سے باجماعت ادا کرتا۔ کہا کرتا تھا "دنیا کے کام عبادت سمجھ کر سرانجام دینے چاہئیں۔" اس کا قول تھا "عدل محمود ادیان است۔ ہیچ طاعت برابر عدل نیست۔" اسلام کو کیسا صحیح سمجھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی وقت میں دونوں پرگنے آباد اور رعیت و سپاہ خوشحال ہوگئے۔ امن و امان قائم ہوگیا۔ رشوت ستانی اور ظلم کا خاتمہ ہوگیا۔ سب کی عزت جان اور مال محفوظ ہوگئے۔ لوگ اس کے گن گانے لگے اور تمام ولایت بہار میں اس کے حسن انتظام کی شہرت پھیل گئی۔ امرا اس کی تعریف کرنے لگے۔ تمام عزیز و اقارب اس سے خوش ہوگئے اور اس پر فخر کرنے لگے۔ سب لوگ اس کی تعریف کرتے۔ سوا چند حاسدوں کے جس میں اس کی سوتیلی ماں پیش پیش تھی۔

ایک روز اس کی سوتیلی ماں نے خاوند کو اچھے موڈ میں دیکھا تو اپنے بیٹے سلیمان کو بلاکر اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ دوڑا دوڑا والد کے پاس گیا اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہنے لگا۔ "ابو جان! ابو جان میں تو آج جاگیر کی حکومت لوں گا۔"

"بھئی ذرا بڑے تو ہو لو۔ پھر حکومت بھی دے دیں گے۔" باپ نے کہا۔

"حکومت تو بھائی فرید کے پاس ہے۔ وہ آپ کیسے دے دیں گے" سکھے ہوئے بچے نے کہا۔

"میں اس سے کہوں گا۔ بھئی اتنے سال تم نے حکومت کر لی ہے۔ اب اپنے چھوٹے بھائی کو بھی کچھ دن حکومت کر لینے دو۔"

"پھر وہ مان جائیں گے نا؟" سیانے بچے نے پوچھا۔

"کیوں نہیں مانے گا؟" باپ نے تسلی دی۔

"اچھا پھر آپ مجھے ان سے ضرور حکومت لے دیں گے نا؟"

"ضرور"

"پکا وعدہ ہوا؟"

"پکا۔"

"دیکھئے ابو جان! اب آپ نے مجھ سے پکا وعدہ کر لیا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے سلیمان دوڑتا دوڑتا ماں کے پاس واپس آگیا۔

دو سال بعد حسن خاں جونپور سے واپس آیا تو اس نے حالات بدلے ہوئے پائے۔ ملک آباد، رعیت خوشحال اور خزانہ معمور تھا، جو علاقہ فرید خاں کی تعریف کرتا۔ بہت خوش ہوا بیٹے کی قابلیت اور حسنِ انتظام کی داد دی۔ فرید خاں اور اس کے سگے بھائی نظام خاں پر مزید الطاف و اکرام کیا اور کہنے لگا "میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب مجھ سے یہ جنجال نہیں سنبھالا جاتا۔ تم دونوں بھائی ان پرگنوں کا انتظام کلیۃً سنبھال لو"۔ یہ بات اس کی کنیز بیوی تک پہنچی تو وہ حسد سے بھر گئی اور موقع بے موقع خاوند کے پاس فرید کی شکایتیں کرنے لگی۔ ہر وقت اس کے کان بھرتی اور اسے فرید کے خلاف اکساتی۔ ایک روز حسن خاں نے تنگ آکر اس سے کہا۔ میں نے تیرے سوا کسی اور کی زبان سے فرید کی شکایت نہیں سنی۔ نہ کسی رشتہ دار سے نہ رعیت سے اور نہ سپاہ سے۔ اس کی کوشش سے پرگنے مفسدوں سے خالی ہو گئے ہیں امن و امان قائم ہو گیا ہے۔ زراعت بڑھ گئی ہے۔ ہماری آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اور تمام ولایت بہار میں ہمارا نام عزت سے لیا جانے لگا ہے مگر ایک تو ہے کہ تجھے دن رات اس کی گلہ گزاری کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں آخر تو چاہتی کیا ہے؟"

عورت مرد کے براہ راست حملہ کے سامنے بے دست و پا ہو گئی۔ اس سے کچھ جواب بن نہ آیا۔ مگر اس نے شکست بھی تسلیم نہ کی۔ البتہ پینترا بدل لیا۔ زبان سے فرید کے خلاف کچھ نہ کہتی مگر خاوند سے بے رخی برتنے لگی اور اس سے میل جول کم کر دیا۔ حسن خاں اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ پیری میں اس کے لئے یہ تغافل ستم ہو گیا۔ ایک روز اس سے بے التفاتی کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگی "آپ میرے مالک ہیں اور میں آپ کی کنیز۔ آپ سے تو مجھے کچھ گلہ نہیں بلکہ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ جیسی ناچیز کو اپنی محبت و اخلاص سے سرفراز کیا مگر آپ کے عزیز و اقارب نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔"

"وہ کیسے؟" حسن خاں نے پوچھا۔

"وہ ہر بات میں میری مخالفت کرتے ہیں اور برملا کہتے پھرتے ہیں کہ ہم کنیز اور اس کی اولاد کو خاندان کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں لینے دیں گے۔ بھلا ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟ جب کبھی وہ یہاں آتے ہیں میں ان کی مہمانداری میں کبھی کوتاہی نہیں کرتی مگر وہ پھر بھی مجھ سے برگشتہ رہتے ہیں اور میرے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ میرا یہاں آپ کے سوا کون ہے۔ اگر آپ میرا اور میری اولاد کا خیال نہ رکھیں گے تو کون رکھے گا؟"

"اچھا تم چاہتی کیا ہو؟"

"مجھے کیا چاہنا ہے میں تو کچھ نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ سلیمان اور احمد کا بھی کچھ خیال رکھیں۔ ان کا یہاں کون ہے؟ اب ماشاء اللہ وہ جوان ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی کہیں کام کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ آپ نے اپنے رشتہ داروں کے کہنے سننے سے جاگیر کا انتظام فرید کے سپرد کر دیا تھا۔ بہت اچھا کیا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔" کیونکہ وہ دیکھ چکی تھی کہ حسن خاں فرید کی برائی نہیں سنتا اس لیے اس نے اس طرح بات کا رخ بدلا۔ "خدا کے فضل سے اس نے نیکی، مردانگی اور عدالت میں خوب نام پیدا کیا اور خاندان کی عزت بڑھائی۔ اس نے اب اتنا مال و دولت جمع کر لیا ہے کہ اسے آپ سے روپیہ پیسہ لینے کی ضرورت نہیں (گو ساتھ ہی اس پر بددیانتی کا الزام بھی لگا گئی) اس کی شہرت بھی بن چکی ہے۔ اب وہ جہاں جائے گا اپنی دولت اور شہرت کے باعث اپنے لئے جگہ بنا لے گا۔ مگر سلیمان اور احمد بیچارے کہاں جائیں۔ ان کا بھی تو آپ پر حق ہے؟"

"کیا تو چاہتی ہے کہ میں تیرے کہنے پر فرید جیسے قابل، منتظم اور عدالت شعار بیٹے سے حکومت لے کر سلیمان جیسے نادان بچے کے ہاتھ میں دے دوں اور فرید کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دوں؟"

وہ بہت سٹ پٹائی۔ مگر اپنے موقف سے باز نہ آئی۔ بلکہ یہی مطالبہ ایک ورژن میں پیش کر دیا۔ کہنے لگی "مگر آپ کو اپنے قول کا تو کچھ پاس ہونا چاہیئے آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار سلیمان نے اپنے بچپن میں آپ سے حکومت کے لئے ضد کی تھی تو آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اسے ضرور حکومت دیں گے۔ اب اپنے اس وعدہ کو پورا کیجئے۔"

حسن خاں سوچ میں پڑ گیا۔ آخر بولا "تو ناحق ضد کرتی ہے۔ میں سلیمان اور احمد کی طرف سے غافل نہیں۔ وہ میرے بیٹے ہیں۔ میں ان کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ انتظام کروں گا۔ مگر فرید بڑا لڑکا ہے۔ جاگیر پر صرف اسی کا حق ہے۔ پھر وہ سیاست اور حسنِ انتظام سے بھی بہرہ ور ہے۔ اس کی وجہ سے تمام ولایت بہار میں ہمارا نام روشن ہو گیا ہے اور میں ہی نہیں بلکہ قبیلہ کا ہر فرد اس پر فخر کرتا ہے۔"

"جیسے آپ کی خوشی میں کنیز بیچاری کیا کر سکتی ہوں۔ میرا یہاں نہ کوئی عزیز ہے نہ رشتہ دار جو آپ کو میرے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کر سکے۔ میں تو یہی کر سکتی ہوں کہ آپ کے سامنے جان دے دوں اور اپنے بیٹوں کو قیدِ حیات سے خلاصی دلا دوں تاکہ آپ کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں اور آپ فرید کی طرف پوری توجہ کر سکیں۔" نوجوان محبوبہ نے بوڑھے خاوند پر آخری وار کیا۔ وار کارگر ہوا۔ بوڑھے میاں حسن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کنیز کو گلے سے لگا لیا اور کہا "جو تو چاہے گی وہی ہو گا۔" عورت نے خاوند کو نرم ہوتے دیکھا تو قدم اور آگے بڑھایا۔ بولی "مجھے آپ کے لطف و کرم سے یہی امید تھی مگر مجھے ڈر ہے کہ آپ کے عزیز و اقارب آپ کو ایسا نہیں کرنے دیں گے وہ آپ کو مجبور کریں گے کہ آپ فرید کو پرگنات کا حاکم رکھیں۔"

حسن خاں نے قسم کھائی اور اس سے پختہ قول و قرار کیا۔

مردم شناس

یہ کون شخص ہے؟ فرید خاں نے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

"یہ شیرانی قبیلہ سے ہے اور شیخ اسماعیل اس کا نام ہے۔"

"شیرانی ہے؟"

"نہیں ہے تو سُور مگر ہماری بہن کا بیٹا ہے۔ اس لئے زیادہ تر ہم شیرانیوں کے پاس ہی رہتا ہے۔"

"شیخ اسماعیل! تم نے کیوں نہ بتایا کہ تم سُور ہو؟"

"میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ میں شیرانی ہوں" شیخ اسماعیل نے جواب دیا۔

"اور یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"یہ میرا دوست شیخ ابراہیم ہے۔ یہ شیرانی ہے۔"

"تم دونوں میرے ساتھ چلو اور آج سے میرے پاس رہو۔"

اس دن کا ساتھ عمر بھر کا ساتھ ثابت ہوا۔

شیخ اسماعیل شجاعت خاں کے لقب سے مشہور ہوا اور شیخ ابراہیم، سرمست خاں کے لقب سے۔ دونوں شیر شاہی دور کے مقتدر امرا میں شمار ہوتے ہیں اور دونوں نے شجاعت اور وفا میں نام پیدا کیا۔ مشہور باز بہادر جس کا نام روپ متی کے ساتھ سرخیٔ افسانۂ عشق ہے۔ اسی شجاعت خاں کا بیٹا تھا۔

یہ واقعہ دارالسلطنت آگرہ میں اعظم ہمایوں ہیبت خاں شروانی کی مجلس میں پیش آیا۔ خان مذکور سلطان ابراہیم لودھی کے چوٹی کے امرا میں تھا۔ تیس ہزار سوار اور علم و طبل رکھتا تھا۔ بعد میں سلطان نے اسے قید کر لیا اور پھر قید ہی میں مروا ڈالا۔ سلطان ابراہیم لودھی کے زوال کا بڑا سبب اس کی اپنے امرا سے دشمنی اور ان پر ظلم تھا۔ کئی برس بعد شیر شاہ سوری کے لڑکے اسلام شاہ نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر کے اپنی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کیں۔ ابراہیم لودھی نے اپنے بڑے بڑے امرا کو قتل کر کے بابر کے لئے راستہ ہموار کیا اور اسلام شاہ سوری نے ہمایوں اور اکبر کے لئے۔

فرید جاگیر پر بڑا باخبر رہتا تھا۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اسے ہر حصے سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ جونہی اس کے باپ نے اپنی کنیز بیوی کے ساتھ جاگیر کے متعلق پختہ قول و قرار کئے۔ اسے بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی بلکہ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی سوتیلی والدہ نے اس پر بلاواسطہ غبن کا الزام لگایا ہے۔ اسے افسوس ہوا۔ بالخصوص اس لئے کہ اس وقت لودھی سلطنت میں خلل واقع ہو چکا تھا اور کئی قسم کی افواہیں اڑ رہی تھیں دور اندیشی کا یہ تقاضا تھا کہ اپنی جاگیر کو مضبوط کیا جاتا اور اپنا دائرہ اثر و رسوخ وسیع کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر اس کا باپ باوجود افغانوں میں معزز ہونے کے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی کنیز بیوی کے ہاتھوں میں کھیل کر فرید خاں کے کئے کرائے پر بھی پانی پھیر رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے کے درپے تھا۔ اس کے باوجود اس نے مناسب یہی سمجھا کہ باپ کی طرف سے کوئی کارروائی ہونے سے پیشتر ہی جاگیر سے دست بردار ہو جائے تاکہ جگ ہنسائی نہ ہو۔ چنانچہ اس نے باپ کے نام ایک چھٹی لکھی اور خود آگرہ چلا آیا اور وہاں اعظم ہمایوں کے پاس رہنے لگا۔ وہیں شیخ اسماعیل اور شیخ ابراہیم سے اس کی ملاقات ہوئی۔

فرید خاں نے باپ کو لکھا کہ "جب تک آپ کی شفقت میرے شامل حال رہی میں نے جاگیر کا انتظام کیا۔ اب جب میں اس سے محروم ہو گیا ہوں، جاگیر سے دستبردار ہوتا ہوں آپ جسے چاہیں یہ ذمہ داری سونپ دیں۔ میں آپ کے راستہ میں حائل ہونا نہیں چاہتا۔ لیکن ایک عرض ضرور کرتا ہوں۔ میں نے سنا ہے میرے متعلق آپ کے سمع مبارک تک بعض ایسی باتیں پہنچائی گئی ہیں جن میں میری عزت پر حرف آتا ہے۔ میرے متعلق کہا گیا ہے کہ میں نے بہت سا مال و دولت اکٹھا کر لیا ہے۔ میری یہ درخواست ہے کہ آپ جاگیر پر نیا حاکم بھیجنے سے پہلے میرے معاملات کی پوری پوری تحقیقات کریں تاکہ بات صاف ہو جائے اور آپ کے دل میں میرے متعلق کوئی کدورت نہ رہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ خود تحقیقات کریں اور خفیہ طریق سے کریں۔ تاکہ آپ سے کوئی بات چھپ نہ سکے اور اگر میں نے کوئی غبن کیا ہے تو وہ ثابت ہو جائے۔ اگر میرے خلاف یہ الزام ثابت ہو جائے تو مجھے برسرِ عام سزا دی جائے۔ اگر میرا حساب پاک ہو تو ان لوگوں کا منہ بند کرایا جائے جو مجھ پر جھوٹے الزامات لگا کر مجھے بدنام کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے شروع ہی سے اپنی نیک نامی کا خیال تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی شہرت کا دامن بدنامی کے چھینٹوں سے داغ دار ہو اور اسے آئندہ بلند مقام حاصل کرنے میں کوئی دقت ہو۔

حسن خاں نے جواب میں لکھا "تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں جب میں شاہی لشکر کے ساتھ تھا۔ میں نے وہیں سارے حالات سن لئے تھے۔ تم نے بہت اعلیٰ انتظام کیا اور آمدنی دگنی کر دی۔ اگر تم نے کچھ لیا بھی ہے تو تمہارا اپنا مال تھا۔ بلکہ میں نے تمہیں حکومت دی ہی اس غرض سے تھی کہ تم صاحبِ سامان ہو جاؤ تاکہ آئندہ دنیا میں بآسانی اپنی جگہ بنا سکو اور اپنا اور میرا نام روشن کر سکو۔ میں جانتا ہوں کہ سلیمان اور احمد سے جاگیر کا انتظام نہیں ہو گا مگر انہوں نے اور ان کی ماں نے میرا دن کا آرام اور رات کی نیند حرام کر دی ہے۔ اس لئے مصلحتاً چند روز کے لئے یہ انتظام ان کے سپرد کرتا ہوں۔"

آگرہ میں مقیم افغانوں نے جو حسن خاں کے عزیز اور رشتہ دار تھے۔ جب فرید خاں کے جاگیر چھوڑنے کی خبر سنی تو بہت رنجیدہ ہوئے۔ وہ حسن خاں کے پاس پہنچے اور اسے سمجھایا کہ "یہ درست اقدام نہیں۔ تیرے بیٹے کے ساتھ پورے قبیلہ کی امیدیں وابستہ ہیں۔ بجائے اس کے کہ تو ایسے قابل، عادل اور محنتی نوجوان کو ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔ تو اسے نیچے گرانے میں مصروف ہے۔ تو ہم سب میں سمجھدار ہے۔ کچھ عقل سے کام لے تو جانتا ہے کہ لودھی سلطنت میں کمزوری آ چکی ہے۔ اس وقت حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ جاگیردار اپنی اپنی جگہ موجود ہوں اور تو الٹا اپنی جاگیر کے بنے بنائے انتظام کو خراب کر رہا ہے اور لائق بیٹے کو نکال کر اس کی جگہ نالائق بیٹوں کو دے رہا ہے۔ تیرا تو آخری وقت ہے۔ مگر ہمیں یہاں رہنا ہے۔"

حسن خاں نے عزیزوں کی باتیں سنیں تو کہا،

"میں یہ سب کچھ سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ سلیمان اور اس کی ماں نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ عرصہ ہوا جب سلیمان ابھی بچہ تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے بھی چند دن جاگیر کی حکومت دوں گا اب وہ اور اس کی ماں میرا پیچھا نہیں چھوڑتے مجھے ہر دم میرا قول یاد دلاتے ہیں۔ مجھے چند روز کے لئے اپنا وعدہ پورا کر لینے دو، بعد میں یہ حکومت فرید خاں ہی کے پاس جائے گی۔ کیونکہ قانوناً بھی وہی اس کا حق دار ہے اور قابلیت کے اعتبار سے بھی وہی اس کا اہل ہے بلکہ انتظامی امور کے متعلق میں نے جو باتیں اس سے سنی ہیں وہ تو مجھے خود بھی معلوم نہ تھیں۔"

عزیزوں نے کہا "تو اپنی عورت کا غلام بن چکا ہے اور تو نے اپنی عقل سے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ تیری عقل پر پردہ پڑ چکا ہے تو سامنے دیکھ رہا ہے کہ بہار کے لوحانی عنقریب بغاوت کا علم بلند کر کے خود مختاری کا اعلان کرنے والے ہیں۔ پھر بھی تو اپنے اور سلطنت کے مستقبل کا خیال نہیں کرتا۔ محض اپنی عورت کا دم بھرتا ہے۔"

مگر حسن خاں کو نہ ماننا تھا نہ مانا۔

دولت خاں بن بدھو، جو ان دنوں سلطان ابراہیم کا منظورِ نظر اور بارہ ہزار سوار کا جاگیردار ہونے کے علاوہ آگرہ کا حاکم بھی تھا، اعظم ہمایوں شروانی کا خانہ زاد تھا اور اس کے ہاں اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ فرید خاں کا اس سے تعارف ہو گیا۔ باہمی میل جول، بڑھا تو دونوں کو ایک دوسرے کی طبیعت پسند آ گئی۔ فرید خاں نے حسب معمول اپنی

قابلیت، دیانت اور محنت سے آہستہ آہستہ اس کے دل میں جگہ بنا لی۔ جب تو دولت خاں اس کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ اس نے بارہا بھری مجلس میں کہا "فرید خاں نے میری اتنی خدمت کی ہے مگر میں ابھی تک اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کوئی کام بتائے تاکہ میں اسے سرانجام دے کر اس کے احسانات کا کچھ بدلہ چکا سکوں۔"

دارالحکومت میں ذمہ دار اعلیٰ امرا کے پاس بیٹھنے اٹھنے سے فرید خاں کو سیاسی حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایسے حالات میں اس کا اپنی جاگیر پر پہنچ کر وہاں کا انتظام سنبھالنا اشد ضروری ہے۔

اس دوران میں سہسرام اور خواص پور کے بعض لوگ آگرہ پہنچ کر اس سے ملے اور اسے بتایا کہ وہ کس قدر مصائب میں مبتلا ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ فرید خاں دوبارہ جاگیر کا انتظام سنبھالے تاکہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہو اور خلق خدا کو چین کا سانس نصیب ہو۔ ان کی باتوں سے فرید خاں اپنے ارادے میں اور پکا ہو گیا۔ سوچ سوچ کر اسے یہ تدبیر سوجھی کہ وہ دولت خاں کی معرفت سلطان ابراہیم کی خدمت میں عرضداشت پیش کرے کہ اس کے باپ کی جاگیر کا فرمان اس کے نام منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے سلطان ابراہیم کے نام اس مضمون کی یہ عرضداشت لکھی۔ دولت خاں نے اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر سلطان نے اسے نامنظور کر دیا۔ اور کہا "بدمردیست کہ گلہ و شکایت پدر خود بکند" سلطان اپنی روایتی کوتاہ اندیشی کے باعث معاملے کے سیاسی پہلو کو نہ دیکھ سکا۔

اس دوران میں فرید خاں اپنے مربیوں اور محسنوں کے ساتھ اکثر سلطان ابراہیم کے دربار میں جاتا اور اپنی عادت کے مطابق ہر چیز کا گہرا مطالعہ کرتا اور ہر بات پر غور و فکر کرتا۔ ایک روز سلطان کے دربار عام میں نواح رائسین کے سادات اور دیگر مسلمانوں نے سلطان کے حضور میں پہنچ کر فریاد کی کہ "جہاں پناہ! پورن مل سربراہ حکومت رائسین نے ہم پر سخت ظلم ڈھائے ہیں۔ ہمارے دیہات کو تاخت و تاراج کر دیا ہے۔ ہماری عورتوں کو زبردستی اپنے گھروں میں ڈال لیا ہے اور ہمارے لڑکوں کو فروخت کر دیا ہے۔ ہماری بچیوں کو ناچنے پر مجبور کرتا ہے۔ خدا کے لیے ہماری فریاد کو پہنچو اور ہمیں اس ظالم کے ظلم سے بچاؤ۔"

مگر سلطان ابراہیم نے سنی ان سنی کر دی اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شاید اس کے زوال کا اصل سبب اس کی یہی مجرمانہ کوتاہی ہو جیسا کہ مشہور ہے:

تا دل صاحب دلے نآید بدرد
ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

ان مظلوموں کی آہوں نے عرش الٰہی کو ہلا دیا ہو اور بارگاہ الٰہی سے فیصلہ ہوا ہو کہ یہ شخص اس قابل نہیں کہ حکومت کرے۔

فرید خاں بھی وہاں موجود تھا۔ مظلوموں کی فریاد سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے دل ہی دل میں دعا کی "خداوندا! اگر تو مجھے یہاں کی حکومت عنایت فرمائے تو میں اس ظالم سے مظلوموں کا بدلہ لوں اور اسے اس کے ظلم کی سزا دوں۔"

شاید اس وقت شیر شاہ کی یہ دعا کسی کو پسند آ گئی۔ مگر اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ وہ شروع ہی سے حکومت کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور اس دور کے حکمرانوں کی خرابیاں دیکھ کر اس میں یہ اعتماد پیدا ہو چکا تھا کہ وہ حکومت کا کام ان سے بہتر چلا سکتا ہے۔

دولت خاں نے ان دنوں فرید خاں کا بہت خیال رکھا۔ وہ اسے نان خرچ دیتا جس سے نہ صرف اس کی ضروریات پوری ہو جاتیں۔ بلکہ اس کے پاس کچھ سرمایہ بھی جمع ہو گیا۔ ساتھ ہی اسے تسلی بھی دیتا کہ یہ جاگیر تمہیں مل کے رہے گی تاکہ اس پر مایوسی کا غلبہ نہ ہونے پائے۔

کچھ عرصہ بعد حسن خاں نے وفات پائی۔ سوگ کے بعد سلیمان نے باپ کی دستار اپنے سر پر باندھ کر گویا اس کے وارث ہونے کا اعلان کر دیا۔ فرید کے حقیقی بھائی نظام خاں کو پتا چلا تو وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اس کی مجلس میں گیا اور یہ کہہ کر اس کے سر سے باپ کی دستار اتار لی کہ فرید خاں کی موجودگی میں باپ کی دستار پر نہ تیرا حق ہے نہ میرا۔ تو اپنے بڑے بھائی کے حق کو غصب کرنا چاہتا ہے نہ تو خدا سے ڈرتا ہے نہ خلق خدا سے شرم محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ سلطان سکندر لودھی کے وقت سے افغانوں کا قاعدہ دستور رہا ہے کہ جاگیر بڑے بیٹے کو ملتی ہے۔ باپ کی موجودگی میں تم اپنی ماں کی مدد سے زیادتی کر لی تھی۔ وہ باپ تھا اس کے سامنے ہم بول نہیں سکتے تھے۔ اس کے ادب سے خاموش رہے اور اس حق تلفی کو برداشت کیا ورنہ تمہیں اسی وقت اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جاتی — اب یہی مناسب ہے کہ تم بڑے بھائی کو بڑا بھائی سمجھو اور اس کے ساتھ تنازع ترک کر کے اخلاص و وفاداری اختیار کرو تاکہ خاندان کی جمعیت برقرار رہے اور اس کے وقار میں اضافہ ہو۔ باپ نے اپنی جائداد میں ہم سب بھائیوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ تم اپنا وہ حصہ لے لو اور اس پر قناعت کرو۔ مگر جاگیر کی طرف دست حرص مت بڑھاؤ۔ اس پر صرف بڑے بھائی کا حق ہے۔

سلیمان نے بالکل چوں و چرا نہ کی بلکہ اس کی باتوں سے اتفاق کیا اور کہا "میں فرید خاں کا فرمانبردار رہوں گا۔ امید ہے آپ لوگ بھی مجھے چھوٹا بھائی سمجھ کر میرا ہر طرح سے خیال رکھیں گے۔"

نظام خاں نے یہ سب واقعہ فرید خاں کو آگرہ میں لکھ دیا۔ اس نے دولت خاں سے بات کی۔ دولت خاں نے سلطان ابراہیم لودھی کی خدمت میں یہ خبر پہنچا کر اس سے دونوں پرگنوں کا فرمان فرید خاں کے نام جاری کرا لیا اور اسے سلطان سے اجازت لے دی۔ کہ وہ اپنے پرگنوں پر پہنچ جائے اور وہاں کا انتظام وغیرہ درست کرنے کے بعد سلطان کی خدمت میں حاضر ہو۔

فرید خاں نے جاگیر کا انتظام سنبھالا تو سب نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ سب زمینداروں اور ملازموں نے اس کے تقرر کے فرمان کو بدل و جان قبول کیا بلکہ سلیمان کو اس کی ماں نے آرام سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر وہ سوچ سوچ کر اپنے باپ کے پرانے دشمن محمد خاں سوری شاہ خیل حاکم چونڈہ کے پاس پہنچا جو پندرہ سو سوار کا جاگیردار اور سوریوں کا سردار تھا اور اس سے اپنے دل کی بات کہی۔ محمد خاں اس سے اچھی طرح پیش آیا اس کی خوب خاطر مدارت کی اور اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ حسن خاں سے تمام عمر اس کی چشمک رہی تھی اور اس نے حسن خاں کو اپنے سے آگے بڑھنے نہیں دیا تھا۔ علاوہ ازیں مدت سے وہ خائف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر ایسا موقع ملا تو وہ اس سے کہیں آگے بڑھ جائے۔ مگر سلیمان سے اس نے اور ڈھنگ سے بات کی۔ "فرید کو سلطان ابراہیم سے ابھی تازہ تازہ فرمان ملا ہے۔ اس وقت اس سے تعرض مناسب نہیں۔ سنا ہے دولت خاں مغلوں کو بلا رہا ہے ان کے اور سلطان ابراہیم کے درمیان جنگ ہوگی۔ اگر مغل فتحیاب ہوئے تو یہ حکومت رہے گی نہیں۔ اس صورت میں میں خود یہ پرگنے فرید سے لے کر تمہیں دے دوں گا۔ اگر سلطان ابراہیم غالب آیا تو پھر میں اس کے پاس لے چلوں گا اور —— ان پرگنوں کے لئے تمہاری سفارش کر دوں گا۔ تاکہ جو تمہارا نصیب ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔"

سلیمان کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ وہ چاہتا تھا جلد کچھ ہو اور وہ ان پرگنوں کا مالک بنے۔ اس نے کہا "میں ساری جاگیر نہیں چاہتا میں جاگیر میں سے صرف اپنا حصہ لینا چاہتا

ہوں۔ مگر بھائی فرید مجھے جاگیر میں سے کچھ بھی دینا نہیں چاہتا۔ وہ مجھ سے طاقتور ہے اور میں اپنے میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہیں پاتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارا فیصلہ کرا دیں۔ جو کچھ آپ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔" مطلب اس کا یہ تھا کہ خدا جانے مغل کب آئیں اور کب ان کی جنگ ہو اور اس جنگ کا کیا انجام ہو۔ جو کرنا ہے ابھی کرو۔ محمد خاں نے فرید کو وکیل (نمائندہ یا ایلچی) کے ذریعے پیغام بھیجی کہ تمہارا بھائی سلیمان میرے پاس آیا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ میں تم بھائیوں کا جھگڑا نپٹا دوں۔ اگر تم یہاں آنا مناسب نہیں سمجھتے تو میں وہاں آجاؤں۔

فرید خاں نے اسے جواب میں لکھا "آپ ہم سوریوں کے بہت بڑے سردار ہیں۔ آپ کی شان کے شایان نہیں کہ آپ یہاں آنے کی زحمت گوارا کریں میرے وہاں آنے کی ایسے ہی ضرورت نہیں کیونکہ حقیقتِ حال آپ سے مخفی نہیں۔ بابا جان کی موجودگی میں میرے اور سلیمان کے جو تعلقات تھے وہ آپ کو خوب معلوم ہیں۔ ان کی وفات کے بعد میں نے سلیمان سے کہا کہ بابا جان نے جو کچھ تمہیں دیا ہے میں اس میں اضافہ کر دیتا ہوں آؤ ہم پہلی کشیدگی کو بھول جائیں اور اب بھائی بھائی بن کر اخلاص و محبت سے رہیں۔ سب عزیزوں نے بھی اسے سمجھایا مگر اس نے ہماری بات نہ مانی بلکہ آپ کے پاس شکایت لے کر چلا گیا۔ اب وہ آپ کے پاس ہے۔ ہمارا سمجھانا کچھ اور تھا ہم نادان بچے ہیں۔ آپ تجربہ کار اور صاحبِ اقتدار ہیں۔ آپ اسے سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گا۔ یہ روہ کا علاقہ نہیں کہ باپ کی جاگیر بھائیوں میں برابر تقسیم ہو۔ یہ ہندوستان ہے اور یہاں کے قانون کے مطابق جاگیر صرف بڑے بھائی کو جاتی ہے۔ میں اپنے بھائی نظام خاں کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تاکہ آپ کے سامنے سلیمان کی تسلی کر کے اسے اپنے ساتھ لے آئے میں اس کے گزارہ کا خاطر خواہ بندوبست کر دوں گا لیکن اگر وہ چاہے کہ جاگیر کی حکومت میں میرا شریک ہو تو ایسا ناممکن ہے۔ میری زندگی میں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ دو تلواریں ایک نیام میں سما سکتی ہیں اور نہ دو حاکم ایک مقام میں۔"

محمد خاں سور سمجھ گیا کہ فرید لڑے بغیر اپنے حق سے دستبردار نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ سلیمان کو بزور جاگیر پر قابض کرانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ فرید خاں باخبر تو رہتا ہی تھا۔ اسے بھی محمد خاں کے ارادوں کی خبر مل گئی۔ اس نے حسبِ معمول اپنے خیرخواہوں کو بلایا اور ان سے مشورہ چاہا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ وَاَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ۔ تمام عمر اس کی یہی عادت رہی۔

فرید خاں نے سب حالات مجلس کے سامنے رکھے اور کہا "آپ جانتے ہیں کہ قانونِ ملک کے مطابق بابا جان کی جاگیر پر میرا حق ہے۔ محمد خاں بھی جانتا ہے مگر وہ مجھے ختم کرنے کا یہ موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا۔ میں نے نظام خاں کے ذریعے سلیمان کے ساتھ فراخدلانہ سلوک کی پیش کش کی تھی۔ وہ نہیں مانا۔ وہ بزورِ شمشیر مجھے میرے حق سے محروم کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں وہ پندرہ سو سواروں کا جاگیردار ہے۔ میں اپنے پانچ سو سواروں سے اسے شکست نہیں دے سکتا جب تک ہم کسی طاقتور شخصیت سے اپنے تعلقات استوار نہیں کریں گے ہم اس کے شر سے محفوظ نہیں ہوں گے۔ میری دانست میں بہادر خاں پسر دریا خاں لوحانی والئی بہار ہی وہ شخصیت ہے جو اس آڑے وقت ہمیں بچا سکے۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

"ہم آپ سے متفق ہیں" اراکینِ مجلس نے کہا۔

"مگر اس تجویز کو فوراً عملی جامہ نہیں پہنانا چاہیئے، قدرے توقف بہتر ہوگا۔" فرید خاں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟" اراکین نے استفسار کیا۔

"تاکہ معلوم ہو جائے کہ مغلوں اور لودھیوں میں سے کون فتحیاب ہوتا ہے اگر سلطان ابراہیم کامیاب رہے پھر تو کوئی شخص مجھ سے یہ جاگیر چھین نہیں سکتا لیکن اگر خدانخواستہ حضرت سلطان شکست کھا گئے تو ہمیں بہادر خاں لوحانی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔" فرید خاں نے اپنی تجویز کی تائید میں کہا۔

سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

شیر خاں

"ہوشیار فرید خاں!" کئی آوازیں بیک وقت جنگل میں گونجیں۔

فرید خاں نے بجلی کی سی تیزی سے تلوار میان سے نکالی۔ اتنے میں شیر اس کے اوپر پہنچ چکا تھا۔ ہمراہیوں کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں اور بعضوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

فرید خاں نے جھپٹتے ہوئے شیر پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا۔ شیر کے زخمی ہو کر نیچے گرنے کے ساتھ ہی فرید خاں نے بھی اس کے پیچھے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ زخمی شیر کی دھاڑوں سے سارا جنگل کانپ رہا تھا۔ ہمراہیوں نے آنکھیں کھولیں تو زخمی شیر کو نیچے گرا ہوا پایا اور فرید خاں کو اس پر تلوار کے پے در پے وار کرتے ہوئے دیکھا۔

فرید خاں کے پرزے پرزے جسم کی بجائے شیر کی خون سے لتھڑی ہوئی لاش دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ فرطِ حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے سلطان محمد نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور شیر خاں کے خطاب سے نوازا۔ اور یہ خطاب اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے۔

مجسم تقویٰ، مجسم فراست اور مجسم عدالت تو وہ پہلے مشہور تھا، اب اس کا مجسم شجاعت ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

سلطان ابراہیم بابر سے شکست کھا کر میدانِ جنگ میں مارا جا چکا تھا اور فرید خاں اپنی تجویز کے مطابق بہادر خاں والئی بہار کی ملازمت اختیار کر چکا تھا۔ بہادر خاں والئی بہار نے سلطان ابراہیم کی وفات کی خبر سنی تو موقع غنیمت جانتے ہوئے سلطان محمد کے لقب سے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر کے بہار کی حکومت کا کاروبار سنبھال لیا۔ اس موقع پر وہ قابل منتظم اور بااعتماد سرداروں کی اشد ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ عین اس وقت فرید خاں اس کے پاس پہنچ گیا۔ فرید خاں محنتی اور فرض شناس تھا اور سلطان محمد قدردان۔ جلد ہی دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔ چند ماہ بعد سلطان محمد نے اس کی اعلیٰ قابلیت اور اخلاق کے باعث اسے اپنے بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا۔

انہی ایام میں اس نے سلطان سے شیر خاں کا خطاب پایا۔

ایک روز شیر خاں سلطان محمد کے محل میں تھا۔ سلطان اندر سے نکلا تو اسے نماز ادا کرتے پایا۔ ہنس کر کہا "شیر خاں! تم نمازیں پڑھ پڑھ کر سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر تو پہلے ہی لے چکا ہے۔ اب کیا ہمارا بہار لینے کا ارادہ ہے؟"

شیر خاں نے فوراً جواب دیا "حضور! جب اللہ آپ کو دلی کا تخت دے گا، آپ بہار خود ہی مجھے عنایت کر دیں گے۔"

سلطان محمد نے غالباً یہ فقرہ مذاق میں کہا ہوگا۔ لیکن اس سے دو باتیں ظاہر ہیں۔ ایک یہ
ت ن محمد اسے معمولی آدمی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسے موقع ملے تو وہ باسانی
ر کی حکومت سنبھال سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ شیر خاں بھی بہار کی حکومت کو اپنے آپ سے
رتر نہیں سمجھتا تھا۔ شیر خاں کے جواب سے اس کی حاضر جوابی اور شائستگی اور خوبصورتی
بات ٹال جانے کا ملکہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

شیر خاں کئی برس ولی عہد کی نیابت میں مہمات ملکی سرانجام دیتا رہا اور اس نے اپنی
یوں کے باعث سلطان اور رعایا دونوں کے دلوں میں جگہ بنالی۔ ایک بار سلطان محمد سے
ت لے کر اپنی جاگیر پر آیا تو وہاں اسے کچھ زیادہ وقت لگ گیا۔
زمانہ پرآشوب ہونے کے باعث سلطان محمد اسے بار بار یاد کرتا تھا۔
محمد خاں سور شہ خیل موقع کی تلاش میں تو تھا ہی فوراً سلطان محمد کی خدمت میں پہنچا۔
بھی اس کے تعلقات سلطان دریا خاں لوحانی سے اچھے تھے۔ مگر شیر خاں کے
ان کا قرب حاصل کر لینے کے باعث اب وہ کچھ پیچھے ہٹ گیا تھا۔
سلطان نے حسب معمول محمد خاں کے سامنے بھی شیر خاں کی غیر حاضری کا شکوہ کیا تو
نے کہا "عالیجاہا! شیر خاں تو ابن الوقت اور مطلب پرست قسم کا آدمی ہے۔ اب وہ
کے پاس نہیں آئے گا۔"
"اب کیا ہوگیا ہے؟" سلطان نے دریافت کیا۔
"آج کل سلطان محمود برادر سلطان ابراہیم مرحوم کی آمد آمد ہے اور اکثر افغان اس
مل کر مغلوں کو یہاں سے نکالنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ شیر خاں بھی انہی میں شامل
۔ سلطان محمد خاموش رہا۔
"البتہ ایک تدبیر ہے۔ اس کے بلانے کی۔ اجازت ہو تو عرض کروں" محمد خاں نے
سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
کہیئے۔"
"شاید آپ کو معلوم ہو شیر خاں کا چھوٹا بھائی سلیمان نہایت زیرک جوان ہے اور
کے باپ نے دونوں پرگنوں کی حکومت اسی کے سپرد کر رکھی تھی۔ باپ نے شیر خاں کو
پاس سے نکال دیا تھا۔
شیر خاں، آگرہ پہنچا اور اس نے دولت خاں بن بدھو کی وساطت سے سلطان ابراہیم
مت میں عرضداشت پیش کی کہ اس کے باپ کی جاگیر اس کے نام منتقل کی جائے
ان نے عرضداشت پڑھتے ہی کہا: بد مرد لیست کہ گلہ و شکایت پدر خود کند۔
حسن خاں کی وفات پر شیر خاں نے دوبارہ عرضداشت پیش کی تو دولت خاں کی
ش کے باعث اسے جاگیر کا فرمان مل گیا۔ سلیمان کے پاس باپ کی سفارش موجود
جو اس نے آخری وقت تحریر کر دی تھی۔ مگر سلطان کے فوت ہو جانے کے باعث وہ
سلیمان کے کسی کام نہ آسکی۔
سلیمان شیر خاں کے جور کے باعث عرصہ سے میرے پاس پناہ گزیں ہے۔ اجازت
اسے عالیجاہ کی خدمت میں پیش کروں۔ اگر حضور حسن خاں کی جاگیر کا فرمان اس
نام تحریر فرما دیں تو اس کی حق رسی بھی ہو جائے گی اور پھر شیر خاں بھی حضور کے
دوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔"
سلطان محمد خاموشی سے بوڑھے سردار کی شر انگیز گفتگو سنتا رہا۔ آخر بولا "کیا میں شیر خاں
وفاداریوں کا یہ صلہ دوں کہ اس کی ایک معمولی تقصیر کے بدلے اس کی جاگیر چھین کر اس
بھائی کے حوالے کر دوں؟ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔"

"میرا یہ مطلب نہ تھا" بوڑھے ٹھگ نے پینترا بدلتے ہوئے کہا "میں نے تو خود شیر خاں کو پیش کش کی تھی کہ میں وہاں آ کر تم بھائیوں میں صلح کرا دیتا ہوں تاکہ تمہارے خاندان سے فتنہ و فساد مٹ جائے مگر وہ نہ مانا۔"

"تو یہ اور بات ہے مصالحت بہر حال اچھی چیز ہے اور آپ ان کے رشتہ دار اور بزرگ ہیں یہ اختیار میں آپ کو دیتا ہوں کہ آپ شیر خاں اور اس کے بھائیوں میں اس طرح مصالحت کرا دیں کہ ان کے خاندان سے فتنہ و فساد دور ہو جائے یہ نیکی کا کام ہے۔" بوڑھے سردار کا مقصد پورا ہو گیا۔

"اب اگر شیر خاں میرا حکم نہ مانے گا تو اسے سلطان بہار کی حمایت تو حاصل نہ ہوگی اور اکیلا شیر خاں، اسے میں کیا سمجھتا ہوں۔" وہ اس طرح اپنے دل سے باتیں کرتا ہوا واپس اپنی جاگیر پر پہنچ گیا اور وہاں پہنچتے ہی اپنے معتمد غلام شادی خاں کو شیر خاں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا "مناسب نہیں کہ تم دونوں پرگنے اپنے پاس رکھ لو اور بھائیوں کو جاگیر سے بالکل محروم کر دو اور اس طرح اپنے خاندان میں جھگڑے کی بنا قائم کرو تمہیں افغانوں کی رسم کا علم ہی ہے کہ باپ کی جاگیر سب بیٹوں میں برابر تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم سلیمان اور احمد کو جو عرصے سے میرے پاس پڑے ہیں ان کا حق دے دو۔"

شیر خاں نے محمد خاں کا پیغام سنا تو کہا "ملک شادی! میری جانب سے خاں کی خدمت میں یہ عرض کر دو کہ یہ ملک روہ نہیں یہ ہندوستان ہے۔ یہاں افغانوں کا رواج نہیں چلتا۔ یہاں حکومت کا قانون چلتا ہے اور سلطان سکندر کے وقت سے حکومت کا یہی قانون ہے کہ امرا کے فوت ہونے پر ان کا خزانہ اور مال سب بیٹوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ مگر ان کی جاگیر اور سپاہ پر صرف بڑے بھائی کا حق ہوگا۔ سلیمان باپ کا تمام خزانہ اور مال لے کر خاں کے پاس جا چکا ہے اور ہم خان کی خاطر نہ اسے کچھ کہہ سکتے ہیں نہ اس سے اپنا حصہ لے سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں میرے پاس سلطان ابراہیم مرحوم کا فرمان موجود ہے جس سے یہ دونوں پرگنے میرے نام درج ہیں۔ اس فرمان میں کسی اور کا نام موجود نہیں۔ اس لئے میں خوشی سے تو اپنی جاگیر کا حصہ کسی کو دوں گا نہیں اگر خاں بزور لے لیں تو اور بات ہے۔"

اب محمد خاں کو بزور اپنی بات منوانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اس نے شادی کو لشکر دے کر سلیمان کے ساتھ بھیجا کہ وہ بزور شمشیر سلیمان کا قبضہ جاگیر پر کرا دے۔ شیر خاں کی طرف سے اس کے باپ کا غلام ملک سکھ لشکر لے کر نکلا۔ ملک سکھ ان دنوں ٹانڈہ کا شقدار تھا۔ شیر شاہی عہد کا مشہور امیر خواص خاں ولی اسی کا بیٹا تھا۔

خواص پور ٹانڈہ کے قریب لڑائی ہوئی۔ ملک سکھ باوجود قلیل تعداد رکھنے کے بہادری سے لڑا مگر شکست کھائی اور میدان جنگ میں کام آیا۔

آبائی جاگیر پر سلیمان کا قبضہ ہو گیا۔

اب دونوں بھائی اور ان کے حامی سر جوڑ کے بیٹھے اور آئندہ کے متعلق سوچنے لگے۔ بعض نے کہا "آپ نے سلطان محمد والیٔ بہار کی اتنی خدمت کی ہے۔ اس کے پاس جایئے اور اسے بتایئے کہ محمد خاں نے آپ سے یہ کچھ کیا ہے۔ پھر اس کی مدد سے اپنی جاگیر حاصل کیجئے" مگر شیر خاں اس سے متفق نہ ہوا اس نے کہا "محمد خاں سلطان محمد کے پرانے امرا میں سے ہے اس نے سلطان ابراہیم کے زمانہ میں اس کے باپ کی مدد کی تھی ـــــ اب وہ میری خاطر اسے ناراض کرنا پسند نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ کہہ دے گا کہ جاگیر سب بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کی جائے۔ یہ ہم نہیں چاہتے۔"

نظام خاں نے کہا "میرے خیال میں تو سلطان جنید برلاس کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے

جو بابر بادشاہ کی طرف سے کڑا مانکپور کا صوبیدار ہے۔"

یہ تجویز شیر خاں کو پسند آئی۔

اس نے سوچا اب مغل یہاں کی ابھرتی ہوئی طاقت ہیں، انھیں کے ساتھ ملنے میں فائدہ رہے گا۔ کیونکہ ابھی یہاں ان کے پاؤں پوری طرح نہیں جمے۔ اس لئے انھیں بھی اچھے سرداروں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ محمد خاں اس علاقہ کا طاقتور سردار ہے۔ سلیمان کو میری جاگیر دلا کر وہ اور بھی طاقتور ہو گیا ہے۔ یہ بات سلطان جنید برلاس کے مفاد کے خلاف ہے کہ اس کے قرب و جوار میں اتنا طاقتور افغان سردار ہو اس لئے وہ خوشی سے میری بات قبول کرے گا اور اس موقع کو غنیمت جان کر ضرور محمد خاں کا زور توڑنے کی کوشش کرے گا۔

چنانچہ شیر خاں کڑا مانکپور کے مغل صوبیدار جنید برلاس کی خدمت میں حاضر ہوا تحفے تحائف پیش کئے۔ پھر حرف مطلب زبان پر لایا۔ سلطان جنید نے اس سے مدد کا وعدہ کیا اور شیر خاں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔ سلطان جنید نے اپنی کچھ فوج اس کے ہمراہ کر دی۔ شیر خاں نے اس کے ساتھ سہسرام کا رخ کیا۔ سلیمان نے اس کی آمد کی خبر سنی تو علاقہ رہتاس کی طرف بھاگ گیا۔ شیر خاں آسانی سے اپنی جاگیر پر قابض ہو گیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس نے محمد خاں کے علاقہ کا رخ کیا۔ کیونکہ اس کا اصل مدمقابل تو وہی تھا۔ راستے میں خالصہ شاہی کے دو پرگنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ محمد خاں نے بھی مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ جانے کو ترجیح دی۔ شیر خاں اس کے پرگنہ چونڈہ پر بھی قابض ہو گیا۔

اب شیر خاں اپنے ادھر ادھر بکھرے ہوئے عزیزوں اور رشتہ داروں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس نے انھیں بلا کر اپنی جاگیر پر آباد کیا۔ جب وہ اتنی تعداد میں ہو گئے کہ شیر خاں کی حالت دوبارہ مستحکم ہو گئی تو اس نے مغل امدادی فوج کو واپس کر دیا اور ساتھ ہی سلطان جنید برلاس کی خدمت میں مناسب تحفے تحائف ارسال کئے۔

اب اس نے ایک اور دلیرانہ قدم اٹھایا جو صرف اسی کی وسعت قلب کا انسان اٹھا سکتا تھا۔ اس نے سردار محمد خاں کو جو بھاگ جانے کے بعد ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ ایک چٹھی لکھی "آپ ہم سوریوں کے معمر سرداروں میں سے ہیں۔ ہم آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ آپ بلا خوف و تردد واپس تشریف لائیے اور اپنی جاگیر سنبھالئے۔ مجھے آپ کی جاگیر کی ہوس نہیں میں نے صرف ابراہیم مرحوم کے خالصہ علاقوں پر قبضہ کیا ہے۔

"یہ فتنہ و آشوب کا زمانہ ہے۔ ہم افغانوں کو آپس میں لڑ کر اپنی طاقت ضائع کرنے کی بجائے اسے محفوظ رکھنا چاہیئے اور باہمی محبت و اخلاص کے ذریعے سے اسے بڑھانا چاہیئے۔"

کتنا مشکل ہوتا ہے برائی کے بدلہ میں نیکی کرنا۔ حق فرماتے ہیں۔ ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ (برائی سے بچاؤ بہترین طریق سے کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہی تمہارا دشمن تمہارا دلسوز ساتھی ہو جائے گا) آگے فرمایا تم سے وہی کر سکتے ہیں جو ذو حظ عظیم ہیں۔ غالباً شیر خاں انہی میں سے تھا۔

بابر کے دسترخوان پر

"میر خلیفہ! اس افغان بچہ کو دیکھتے ہو وہ جو پرے بیٹھا ہے۔" شہنشاہ بابر نے کھانا کھاتے کھاتے اچانک رک کر کہا۔

"اس نے عجیب کام کیا ہے۔"

"کب جہاں پناہ؟" وزیر نے باادب استفسار کیا۔

"اس کے سامنے آش ماہیچہ تھی۔ شاید پہلے نہ کھایا ہوا اس نے بے جھجک کر سے خنجر کھولا۔ اس سے آش ماہیچہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ——— اور اب عاشق سے بے تکلف کھا رہا ہے۔ اس کا چہرہ تو دیکھو اس پر فرمانروائی کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے افغان سرداروں پر سطوت و جلال نہیں دیکھا جو اس کے چہرے سے ٹپکتا ہے۔ اسے دیکھ کر ہمارے دل میں خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے گرفتار کر لینا چاہیئے۔ یہ کون شخص ہے؟"

"اس کا نام شیر خاں ہے، جہاں پناہ۔ معمولی سردار ہے اور میرے بھائی سلطان جنید صوبیدار کڑا مانک کے پاس ملازم ہے۔ اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے جہاں پناہ!" وزیر نے عرض کیا۔

"نہیں میر خلیفہ، یہ معمولی افغان نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے افغان کو دیکھ کر ہمارے دل میں ایسا خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا جو اسے دیکھ کر ہو رہا ہے۔ اسے ضرور گرفتار کر لینا چاہیئے" شہنشاہ نے پھر کہا۔

"جہاں پناہ کا ارشاد سر آنکھوں پر مگر اس سے وہ افغان جو سلطنت کی خدمت وفاداری سے سرانجام دے رہے ہیں متوہم ہو جائیں گے اور ان کے دل سے ہمارا اعتماد اٹھ جائے گا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس وقت جو مغل افغان اتحاد صورت پذیر ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ آگے جو ارشاد عالی۔" میر خلیفہ نے کہا۔

شہنشاہ سوچ میں پڑ گیا۔

دسترخوان سے اٹھتے وقت بابر نے شیر خاں کو طلب کیا شاید وہ اس وقت اس کے متعلق اپنے دل سے فیصلہ کر چکا تھا۔

"شیر خاں یہاں نظر نہیں آتا اسے حاضر کیا جائے۔" بابر نے آواز بلند کہا۔

میر خلیفہ نے شیر خاں کی طلبی کے لئے اس کی قیام گاہ پر سپاہی روانہ کئے مگر وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

"میر خلیفہ! آج آپ نے ایک خطرناک دشمن کو نکل جانے دیا۔ دیکھیں اس کا انجام کیا ہو اگر آپ اس کی سفارش نہ کرتے تو میں ضرور اسے قید میں ڈال کر اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا۔"

شہنشاہ بابر ان دنوں راجہ میدنی رائے کی سرکوبی کے سلسلہ میں اطراف چندیری میں مقیم تھا۔ رانا سانگا اس سے شکست کھا چکا تھا۔ اور ہندوستان میں افغان سلطنت کی جگہ مغل سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔

شیر خاں اس وقت ۴۵ سال کا جہاں دیدہ انسان تھا۔ اگرچہ وہ بابر سے دور بیٹھا تھا مگر اس نے اندازہ کر لیا کہ بادشاہ اپنے وزیر سے اسی کے متعلق گفتگو کر رہا ہے اور اچھے خیالات کا اظہار نہیں کر رہا۔ بابر کو ذرا اور طرف مشغول پایا تو فوراً وہاں سے سیدھا اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔ دوستوں سے سارے واقعہ کا ذکر کیا اور کہا اب میرا یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سہسرام جا پہنچا۔

چند روز کے بعد اس قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ان دنوں شیر شاہ سریر آرائے سلطنت دہلی ہونے کے بعد نواح مالوہ میں دورہ پر تھا وہاں ملو خاں جو قادر شاہ کے لقب سے مالوہ پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اسے لشکر گاہ میں ٹھہرایا گیا۔ ایک روز شیر شاہ کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو اس نے شجاعت خاں کو بلا کر کہا "اس کا خیال رکھنا کہیں بھاگ نہ جائے۔" مگر شیر خاں کی احتیاط کے باوجود ملو خاں بھی وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

مغلوں کی مدد سے اپنی جاگیر حاصل کرنے اور اس کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد شیر خاں اپنے وعدہ کے مطابق سلطان جنید برلاس مرزا کی خدمت میں رہنے لگا۔

اور جب شہنشاہ بابر اطرافِ چندیری میں آیا تو وہ بھی اس کے ساتھ مغل لشکر میں گیا اور اس نے مہم چندیری میں حصہ لیا وہاں اسے مغلوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس نے معلوم کیا کہ مغلوں کی افغانوں پر برتری کی سب باتیں محض افسانے ہیں۔ نہ وہ فوجی لحاظ سے برتر ہیں اور نہ انتظامی امور میں۔ ورنہ اس سے پیشتر ابراہیم لودھی کی ایک لاکھ فوج کے بابر کی بارہ تیرہ ہزار فوج سے شکست کھا جانے کے بعد افغان مغلوں سے مرعوب ہو چلے تھے شیر خاں کو یقین ہو گیا کہ مغلوں کی کامیابی کے باعث ان کی برتری نہیں بلکہ افغانوں کی بے اتفاقی اور باہمی عداوت ہے۔ چنانچہ اس نے دبی دبی بابر کے لشکر میں افغانوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔ بعض اوقات وہ یہ بھی کہہ دیتا کہ اگر افغان میرا ساتھ دیں تو میں چند برس کے اندر مغلوں کو ہندوستان سے نکال سکتا ہوں۔ افغان اس کے سامنے تو نہ بولتے مگر بعد میں کہتے "شیر خاں لاف میں مارتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے جو اس کی حد امکان سے باہر ہیں"۔ تاہم افغانوں کے اندر اس کی ان باتوں کا چرچا شروع ہو گیا۔ کیونکہ اس کی باتیں ان کے شکستہ فخر کے لئے مرہم تھیں۔ وہ ان کی مایوسی کو دور کرتی تھیں۔ ان میں خود اعتمادی پیدا کرتی تھیں اور انہیں مغلوں کی مرعوبیت سے نجات دلاتی تھیں۔ شروع شروع میں انہیں اس کی باتوں پر یقین نہیں آتا تھا مگر پھر بھی سنتے ضرور تھے اور اس کے ہم جلیس ان باتوں کو آگے دوسرے افغان سرداروں تک بھی پہنچاتے تھے۔

ایک روز وہیں شیر خاں کے ایک ساتھی شیخ ابراہیم شروانی نے جو آگے چل کر سرمست خاں کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک اور افغان شیخ محمد سے کہا۔ "آؤ شیر خاں سور کے ڈیرہ پر چل کر اس کی وہ باتیں سنیں جو وہ اپنی حدود سے بڑھ کر کرتا ہے اور جنہیں سن کر لوگ ہنستے ہیں"۔ چنانچہ دونوں سوار ہو کر اس کے پاس پہنچے۔ شیخ ابراہیم نے بات چھیڑنے کے لئے کہا۔ "اب دوبارہ اس ملک کا ہمارے ہاتھ آنا اور مغلوں کا یہاں سے جانا بہت مشکل ہے"

شیر خاں بولا "شیخ محمد تم میرے اور شیخ ابراہیم کے درمیان گواہ رہنا۔ اگر بخت نے یاوری کی تو میں تھوڑے ہی عرصہ میں مغلوں کو اس ملک سے باہر نکال دوں گا۔ کیونکہ مغل نہ تو جنگی امور میں ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور نہ انتظامی قابلیت میں۔ ہم نے اگر یہ ملک گنوایا ہے تو اپنی نااتفاقی سے گنوایا ہے۔ میں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ نہ یہ میدان جنگ میں ثابت قدمی سے لڑ سکتے ہیں اور نہ صحیح طور پر ملک کا انتظام کر سکتے ہیں بلکہ ان کا بادشاہ خود ملکی امور میں بہت کم دلچسپی لیتا ہے اس نے اپنا زیادہ کام امرا پر چھوڑ رکھا ہے جو کوئی انہیں رشوت دیتا ہے اپنا کام کرا لیتا ہے۔ جو رشوت نہ دے خواہ وہ سلطنت کا کتنا ہی خدمت گزار اور وفادار کیوں نہ ہو اس کا کام نہیں کرتے۔ انہیں تو دوست دشمن کی تمیز ہی نہیں۔ یہ کیسے سلطنت قائم رکھ سکتے ہیں۔ اگر میرے ہاتھ اقتدار آ گیا تو میں افغانوں کو اس طور سے متحد کروں گا کہ ان کے سب تفرقے مٹ جائیں گے اور جب افغان متحد ہو گئے پھر مغلوں کی کیا مجال کہ وہ اس ملک میں رہ جائیں"۔

دونوں افغان خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ اس کے لہجے میں وہ اعتماد تھا کہ اس کے سامنے یہ چیز ناممکن نظر نہیں آتی تھی۔

شاید یہ باتیں مغلوں تک بھی پہنچ چکی ہوں۔

سہسرام پہنچ کر شیر خاں نے مرزا برلاس کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا۔ اس میں لکھا "جاگیر کے حالات بگڑ جانے کے باعث مجھے فوراً یہاں پہنچنا پڑا۔ میں جلدی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اجازت نہ لے سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل مجھے اپنے بھائی نظام خاں کی چٹھی وصول ہوئی تھی جس میں اس نے لکھا تھا کہ محمد خاں سور اور ہمارے سوتیلے بھائی سلیمان نے سلطان محمد والی بہار کی حکومت میں یہ عریضہ لکھا ہے کہ شیر خاں چونکہ مغلوں سے مل گیا ہے۔ اس لئے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس کے پرگنوں پر بزور قبضہ کر لیں۔ یہ وجہ تھی میرے لشکر گاہ سے یکایک چلے آنے کی۔ اسے بے ادبی یا گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔ میں آپ کا بندۂ احسان ہوں جو خدمت آپ میرے سپرد کریں گے میں اسے بدل و جان بجا لاؤں گا"۔

میرزا برلاس کی مدد سے اپنی جاگیر حاصل کرنے اور اس کا انتظام کر چکنے کے بعد شیر خاں جاگیر کو اپنے بھائی نظام خاں کے سپرد کر کے حسب وعدہ میرزا کی خدمت میں رہنے لگا تھا اور اس نے اپنی قابلیت اور محنت سے اس کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ چندیری کی مہم پر میرزا خود اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ مگر بابر کے دسترخوان پر اس واقعہ کے بعد جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ شیر خاں کا اعتماد مغلوں سے اٹھ گیا اور مغلوں کا شیر خاں سے۔

حکومت بہار

"واہ وا! سلطان وہی آ رہا ہے"۔ درویش نے گدڑی سے سر نکال کر کہا۔

شیر خاں کے ساتھی حیران رہ گئے۔

وہ اس وقت اپنے دو تین وفاداروں کے ساتھ رات کے وقت اپنی عادت کے مطابق سہسرام کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا تاکہ رعیت کے حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کرے۔ ایسے موقعوں پر وہ کچھ روپے پیسے اور کپڑے اپنے ساتھ رکھتا۔ کسی غریب گھر میں سکے پھینک دیتا۔ کسی سوئے ہوئے شخص کی چارپائی پر کپڑے رکھ آتا جسے محتاج پاتا خاموشی سے اس کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور چھوڑ آتا۔ ویسے وہ ان دنوں کچھ متفکر سا تھا۔ کیونکہ سلطان بنگال کی فوج ابراہیم کی زیر قیادت بڑھ رہی تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے ابراہیم خاں کا باپ قطب خاں اس سے شکست کھا چکا تھا مگر اب معاملہ زیادہ ٹیڑھا تھا اس وقت جلال خاں اور اس کے لوحانی سردار بھی بنگالی لشکر کے ساتھ تھے۔

چاندنی رات میں درویش کے ان الفاظ سے اس کی ہمت بڑھ گئی یہ تائید غیبی کی واضح بشارت تھی۔

لشکر گاہ بابر سے آ جانے کے بعد شیر خاں نے کچھ وقت سہسرام میں گزارا مگر زمانہ پر آشوب تھا۔ کسی امیر کے لئے تنہا رہ کر زندگی بسر کرنا امر محال تھا۔ ایک طرف مغل تھے دوسری طرف سلطان محمد۔ مغلوں کے پاس جانے سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ سلطان محمد بھی مغلوں سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ اس لئے اس سے دب کر رہنا ممکن تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پہلے ہی اس کی قابلیت شجاعت اور حسن تدبیر کا قائل تھا۔ اس کے آ جانے سے بہت خوش ہوا۔ دوبارہ اپنے خورد سال بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا اور کہا "یہ خورد سال ہے اس کی تربیت کرو تاکہ یہ بطریق احسن حکومت کا کاروبار سرانجام دے سکے"۔

شیر خاں یہ عہدہ پا کر بہت خوش ہوا اور حسب معمول انہماک سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جلال خاں ابھی کم عمر ہی تھا کہ سلطان محمد نے وفات پائی۔ سلطان کی رحلت کے بعد اس کی بیوہ لاڈو ملکہ نے عنان حکومت سنبھالی اور شیر خاں کو مشیر بنا کر اس کی مدد سے

حکومت کا کام چلاتی رہی۔ اس عرصہ میں شیر خاں نے اپنی نیکی، سخاوت اور قابلیت سے وہ نام پیدا کیا کہ حدودِ بہار میں کوئی اور امیر اس کا ہم پلہ نہ رہا۔ قضائے الٰہی سے لاڈو ملکہ بھی وفات پا گئی۔ اب شیر خاں شہزادہ جلال خاں کے نائب کی حیثیت سے حکومت کا کام سرانجام دینے لگا۔ ان دنوں ہمسایہ صوبہ بنگال پر سلطان محمود حکمران تھا۔ اس نے دیکھا کہ بہار کا والی خورد سال ہے اور وہاں ایک اجنبی حکومت کر رہا ہے تو اسے وہاں قبضہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک امیر قطب کو لشکر دے کر اس غرض کے لیے روانہ کیا اور میر مخدوم عالم کو جو اس کی طرف سے پرگنہ حاجی پور کا جاگیردار تھا، فرمان بھیجا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ قطب خاں کی اعانت کرے۔

شیر خاں نے بنگالی فوج کی آمد کی خبر سنی تو سلطان بنگال کو خط لکھا: "آپ کے تعلقات سلطان محمد مرحوم سے دوستانہ تھے۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ سلطان مرحوم کے خورد سال لڑکے سے اس کا تخت چھیننے کی کوشش کریں۔

حکومتِ بہار نے ہمیشہ آپ کی حکومت کا پاس رکھا ہے۔ کبھی اپنی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ نہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع دیا ہے۔ اس لئے آپ کے پاس ہمارے خلاف فوج بھیجنے کے لئے کوئی جواز نہیں۔

علاوہ ازیں آپ بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی۔ جنگ کی صورت میں دونوں طرف سے بلاوجہ مسلمانوں کا خون بہے گا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے میں اس خونِ ناحق کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے سے احتراز کرنا چاہیئے۔"

شیر خاں نے نیک نیتی سے اپنا فرض سمجھ کر سلطان محمود کو اس کے اقدام کی غلطی اور دور رس نتائج سے آگاہ کر دیا۔ مگر سلطان مذکور نے اسے شیر خاں کی کمزوری پر محمول کیا اور قطب خاں کو لکھا کہ وہ مخدوم عالم کو ساتھ لے کر فوراً بہار پر حملہ کر دے۔

شیر خاں نے سنا تو اس نے بھی اپنے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے یوں مخاطب ہوا:
"میرے دوستو! آپ سن چکے ہوں گے کہ قطب خاں ایک لشکرِ جرار لے کر ہم پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ ہمارا تم نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ سلطان محمود یہ سمجھتا ہے کہ اس وقت حکومتِ بہار کمزور ہے کیونکہ اس کا حکمران خورد سال ہے۔ اس لئے وہ اسے ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ انشاء اللہ ہم اسے دکھا دیں گے کہ ہم کمزور نہیں۔

"میں نے اتمامِ حجت کے لیے اسے چٹھی تحریر کی تھی کہ وہ بلاوجہ بندگانِ خدا کا خون بہانے سے باز آ جائے مگر وہ نہیں سمجھا۔ اس نے ہماری خدا ترسی کو کمزوری پر محمول کیا ہے۔ اب ہمارے لئے بغیر لڑے چارہ نہیں۔ ہماری ایک جانب مغل ہیں اور دوسری جانب لشکرِ بنگال۔ اس وقت ہم چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہیں۔ اگر ہم نے اس وقت کمزوری دکھائی تو پھر ہمیں کہیں سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔ اب ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم متحد ہو کر دشمن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اس کا اس طرح مقابلہ کریں کہ آئندہ کوئی ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرے۔"

"ہم آپ سے پوری طرح متفق ہیں۔" سرداروں نے کہا۔
"اس وقت واقعی ہمارے لئے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ یا تو ہم ہمت و مردانگی سے کام لیتے ہوئے لشکرِ بنگال کو مار بھگائیں، یا غیرت مندوں کی طرح میدانِ جنگ میں جان دے دیں۔"

شیر خاں نے انہیں آفریں کہا اور اپنے لشکر کو آراستہ کر کے مقابلہ کے لیے نکل آیا۔ سلطان بنگال کے فرمان کے باوجود مخدوم عالم، قطب خاں کی مدد کو نہ پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے مخدوم عالم سلطان محمود سے خوش نہ تھا۔ غالباً اسی باعث وہ آہستہ آہستہ شیر خاں سے تعلقات استوار کر رہا تھا۔ بہاری اور بنگالی لشکروں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ بنگالی بہاریوں کی شجاعت کو نہ پہنچ سکے۔ شیر خاں کے پرانے ساتھی شیخ اسماعیل نے اس جنگ میں اپنی غیر معمولی مردانگی کے باعث شجاعت خاں کا لقب پایا۔ آخر شیخ اسمٰعیل کے برادرِ نسبتی حمید خاں کاکڑ کے تیر سے قطب خاں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ سپہ سالار گرا تو فوج بھاگ نکلی اور میدان شیر خاں کے ہاتھ رہا۔ شیر خاں فتح سے مغرور نہ ہوا بلکہ اس کا سر احساسِ تشکر سے بارگاہِ مالکِ حقیقی میں جھک گیا۔ فتح کے بعد میدانِ جنگ کا جائزہ لیتے ہوئے جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں قطب خاں پڑا تھا تو اس کی لاش دیکھ کر اس کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھا اور پھر اسے احترام سے دفن کرا دیا۔

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ دردآشنائے
چو اندر کوہسارے جوئبارے

اقبالؒ

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان ""

اس لڑائی میں بہت سا اسلحہ، گھوڑے، ہاتھی، خزانہ اور متفرق سامان شیر خاں کے ہاتھ آیا۔ اس نے بہت سا سامان اپنے پاس رکھ لیا تاکہ اس سے مزید سپاہی بھرتی کر کے بہاری فوج کی قوت میں اضافہ ہو سکے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس لڑائی سے سلطانِ بنگال کی طاقت ختم نہیں ہوئی اور وہ بدلہ لینے کے لئے دوبارہ مزید فوج کے ساتھ حملہ آور ہو گا۔ لوحانی چاہتے تھے کہ حسبِ دستور سارا مالِ غنیمت تقسیم ہو جائے۔ علاوہ ازیں وہ بہار کو اپنی حکومت سمجھتے تھے۔ اور دل میں اس بات پر خوش نہ تھے کہ سوری سردار ان کی حکومت سنبھال کر بیٹھ جائے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شیر خاں کے خلاف زور شور سے پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اس نے سوریوں اور لودھیوں کو تو مالِ غنیمت سے مالامال کر دیا ہے مگر لوحانیوں کو کچھ نہیں دیا۔ ویسے بھی یہ بات افغانوں کی طبیعت کے عین مطابق تھی۔ انہیں ذرا سی کامیابی ہو جاتی تو پھر وہ آپس میں ہی لڑنا شروع کر دیتے۔ اسی سبب انھوں نے ہندوستان میں دو بار اپنی سلطنت گنوائی۔ . .

سلطان بنگالہ کو قطب خاں کی شکست اور موت کی خبر ملی تو اسے اپنے جاگیردار مخدوم عالم پر سخت غصہ آیا۔ جو اس کے فرمان کے باوجود قطب خاں کی مدد کو نہیں پہنچا تھا۔ اس نے اسے اس شکست کا باعث گردانا اور اسے سزا دینے کے لئے اس کے خلاف لشکر روانہ کر دیا۔ مخدوم عالم شیر خاں سے مدد کا طالب ہوا مگر شیر خاں لوحانیوں کی مخالفت کے باعث نہ خود ملک چھوڑ کر جا سکتا تھا اور نہ اپنی پوری فوج بھیج سکتا تھا۔ البتہ اس نے اپنے حقیقی بہنوئی میاں جیو کو جسے دریا خاں کا خطاب حاصل تھا لشکر دے کر اس کی مدد کے لئے بھیجا۔ مخدوم عالم نے اپنا تمام سامان اور خزانہ شیر خاں کے پاس بھیج دیا کہ "جیتا رہا تو لے لوں گا۔ ورنہ تمہارے کام آئے گا۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا سامان اس کے دشمن سلطان محمود کی تقویت کا باعث ہو۔ اس نے اپنا تمام مال و متاع شیر خاں کے حوالے کیا تاکہ اس کی وفات کے بعد بھی شیر خاں اس کے مال سے اس کے دشمن کی سرنگونی کا کام لے۔ اس جنگ میں مخدوم عالم کو شکست ہوئی اور وہ بہادری سے لڑتا ہوا کام آیا۔ مگر دریا خاں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

شیرخاں اور لوحانیوں کی مخالفت روز بروز بڑھتی گئی لیکن سارے لوحانی اس کے ۔۔۔ف نہ تھے۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوحانیوں نے اسے مار ڈالنے کا منصوبہ ۔۔۔ تجویز یہ ہوئی کہ جلال خاں بیماری کا بہانہ کرے جب شیرخاں اس کی عیادت کے ۔۔۔ محل کے اندر جائے تو واپسی پر محل کے اندرونی اور بیرونی دروازوں کے درمیان ۔۔۔ کا کام تمام کر دیا جائے۔ لیکن لوحانیوں میں ہی سے بعض نے شیرخاں کو ۔۔۔ کی ۔۔۔اع دے دی۔

شیرخاں پہلے بھی لوحانیوں سے غافل نہ تھا۔ وہ ایک عرصہ سے ان میں تبدیلی پا ۔۔۔تھا۔ ان کے طور طریقوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ شیرخاں کو ناپسند کرتے تھے۔ ۔۔۔ لیے اس نے اندر ہی اندر اپنی جمعیت بڑھانی شروع کر دی تھی۔ وہ ہر نئے خزانے ۔۔۔ اس کے ہاتھ آتا، مزید سپاہ کی بھرتی پر صرف کرتا اور ہر نئے علاقہ میں نئے جاگیردار ۔۔۔ مقرر کرتا۔ چنانچہ اس وقت تک وہ اتنا طاقتور ہو چکا تھا کہ لوحانیوں کا مقابلہ ۔۔۔ سکے ۔۔۔ جب اسے لوحانیوں کی سازش کی اطلاع ملی اس نے ایک روز بھرے دربار میں جلال خاں ۔۔۔ اس موضوع پر بات چیت کی۔ اس نے کہا:

"عالیجاہ! سب جانتے ہیں کہ شاہ بنگالہ اس فکر میں ہے کہ ہم سے اپنی پچھلی شکست کا بدلہ ۔۔۔ اور ہمارے ملک پر قبضہ کرے۔ آج نہیں تو کل اس کا لشکر اس طرف متوجہ ہوگا مگر ۔۔۔ ہیں کہ دشمن کی فکر کرنے کی بجائے آپس کی سر پھٹول میں لگے ہوئے ہیں میرے خلاف ۔۔۔ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ میں نے جانبداری اور تعصب کے باعث لوحانیوں کو ۔۔۔ غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ لوحانی تین پشتوں سے اس ملک کی جاگیریں لئے ہے ۔۔۔ اور سب کے سب آسودہ حال ہیں۔ میں نے اگر مال غنیمت ان میں تقسیم کرنے ۔۔۔ئے اس سے نئے سپاہی بھرتی کر لئے۔ میں نے اگر نئے علاقے ان میں تقسیم کرنے کی ۔۔۔ئے ان پر نئے جاگیردار مقرر کر دیئے تو اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے امرا اور سپاہ ۔۔۔ تعداد میں اضافہ ہو تاکہ آپ کی سلطنت مضبوط اور مستحکم ہو اور جب شاہ بنگالہ کی ۔۔۔ہم پر حملہ آور ہوں ہم ان کو دندان شکن جواب دے سکیں۔ میں نے جو کیا ہے سلطنت ۔۔۔ بہتری کے لئے کیا ہے مگر لوحانیوں نے میرے خلاف الزام تراشی اور بہتان طرازی کی مہم ۔۔۔ شروع کر رکھی ہے۔ عالیجاہ آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ سلطنت کے مفاد کو پیش نظر ۔۔۔یں اور انھیں ایسی حرکتوں سے روکیں جو سلطنت کی کمزوری کا باعث ہو سکتی ہیں۔

۔۔۔ ہم افغانوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ ہم میں سے جس قبیلہ کے چار آدمی زیادہ ہو جاتے ۔۔۔ وہ دوسرے قبیلوں کو تباہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اسی باہمی عداوت کے ۔۔۔ت ہم دہلی کی سلطنت گنوا چکے ہیں۔ کم از کم اب تو ہم کو سنبھلنا چاہیئے اور یہ جو چند ۔۔۔قے ہمارے پاس رہ گئے ہیں ان کی حفاظت کی تدبیر سوچنی چاہیئے۔ اگر لوحانی ۔۔۔ قبیلوں سے زیادہ ہیں تو انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ انھیں ملیامیٹ کرنے پر تل ۔۔۔ ہیں۔ یہ فتنہ و آشوب کا زمانہ ہے ہمیں آپس میں مل کر رہنا چاہیئے اگر ہم متحد رہے ۔۔۔ دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور عین ممکن ہے ہم ہند میں دوبارہ اپنی سلطنت ۔۔۔م کرنے میں کامیاب ہو جائیں ورنہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس سے بھی ہاتھ دھو ۔۔۔یں گے۔ اگر ہم سلطان محمود والی بنگال سے بچ گئے تو مغل ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ ۔۔۔ اس خطرہ کا احساس کرنا چاہیئے۔

"میں نے سنا ہے لوحانی مجھے قتل کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ اس لئے میری یہ ۔۔۔ خواہش ہے کہ آئندہ مجھے دربار میں پوری جمعیت کے ساتھ آنے کی اجازت ہو میری ۔۔۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ مجھے محل کے اندر نہ بلایا جائے اور اگر میرا وہاں جانا ایسا ہی ضروری ہو تو مجھے وہاں بھی اپنی پوری جمعیت ساتھ لانے کی اجازت دی جائے۔"

جلال خاں سمجھ گیا کہ لوحانیوں کی سازش کا راز فاش ہو گیا ہے لیکن اس نے ظاہر بہ نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "لوحانیوں کی کیا مجال کہ آپ کی طرف بری نگاہ سے دیکھیں۔ وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں میں نہیں جانتا ہوں ان میں یہ ہمت نہیں۔ البتہ وہ باتوں میں احتیاط سے کام نہیں لیتے یہ ان کی عادت بن چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض نے آپ کے متعلق ایسی ویسی باتیں کی ہوں مگر ۔۔۔ کی باتیں محض باتیں ہیں۔ ان پر عمل ان کا مقصد نہیں ہوتا۔ آپ ان کی باتوں کو ۔۔۔ اہمیت نہ دیں۔

ویسے اگر آپ جمعیت کے ساتھ دربار میں آنا پسند کرتے ہیں اور اسی طرح آپ کی تسلی ہوتی ہے تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

جلال خاں نے اپنے سابق اتالیق اور موجودہ نائب کی بہت تسلی کرنے کی کوشش کی مگر دل سے دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد اٹھ گیا۔ اس دن سے بہار کے امرا میں کھلم کھلا دو پارٹیاں بن گئیں۔ ایک شیرخاں کی پارٹی دوسری جلال خاں کی پارٹی سور اور لودی متفقہ طور پر شیرخاں کے ساتھ تھے۔ مگر لوحانیوں میں آپس میں پھوٹ تھی۔ کچھ لوحانی شیرخاں کے ساتھ ہو گئے۔ شیرخاں کے ساتھیوں نے آپس میں عہد و پیماں کیے اور قسمیں کھائیں کہ جو نیکی یا بدی پیش آئے گی اس میں ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ ان میں بیشتر وہ لوحانی تھے جنہوں نے شیرخاں کو اس سازش سے آگاہ کیا تھا۔ باقی جلال خاں کے ساتھ رہے۔ کچھ دیر اس طرح کام چلتا رہا مگر آخر یہ خلیج اس قدر وسیع ہو گئی کہ سلطنت کے کام میں دشواری پیدا ہونے لگی۔

ایک روز شیرخاں نے اپنے حامی لوحانیوں کو جمع کیا اور ان سے یوں گویا ہوا۔

"حالات روز بروز نازک صورت اختیار کر رہے ہیں۔ بعض لوحانیوں کی مخالفت کے باعث اب سلطنت کا کام چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ انہیں جلال خاں کی حمایت حاصل ہے اور میرے لئے جلال خاں کی خیر خواہی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے باپ اور ماں کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ انہوں نے اس کی تربیت میرے سپرد کی تھی۔ میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا اپنے اس فرض کو ذمہ داری سے سرانجام دیا۔ بعض لوحانیوں نے اس کی موجودگی میں میرے قتل کا منصوبہ بنایا مگر وہ خاموش رہا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ اس سازش میں ان کے ساتھ شریک تھا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ اس نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش بھی نہ کی۔ گویا اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو اسے اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ آپ لوگوں کی مہربانی تھی کہ آپ نے مجھے خبردار کر دیا ورنہ شاید اب تک میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ اگر آپ پسند کریں تو جلال خاں سے کہا جائے کہ وہ ان لوحانیوں کو جو اس فساد کی جڑ ہیں اپنے پاس سے نکال دے اگر اس نے ایسا کر دیا تو بہتر۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو پھر میں سمجھوں گا کہ اسے مجھ پر اعتماد نہیں اور حکومت کے کام سے الگ ہو جاؤں گا۔ اس طرح ہر وقت خطرہ میں گھرے رہنے کے باعث دلجمعی سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔"

لوحانیوں نے کہا "آپ درست فرماتے ہیں۔ اب کہ آپ کے اور ان کے درمیان کھلم کھلا عداوت ظاہر ہو چکی ہے ان کا اور آپ کا ایک جگہ رہنا یا آپ کا ان پر اعتبار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ایک بار تو آپ کی جان بچ گئی۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ اب تو ۔۔۔ پر بھی اعتبار نہیں کرتے۔"

اب شیرخاں نے ذرا کھل کر اپنی تجویز ان کے سامنے پیش کی۔ اس نے کہا: "اب

…ی ایک صورت ہے کہ جلال خاں سے کہا جائے کہ وہ دونوں فریقوں کو اکٹھا اپنے پاس نہ رکھے۔ ایک فریق کو جسے وہ پسند کرتا ہو اپنے پاس رکھے اور دوسرے فریق کو اطراف ملک میں مالیہ کی وصولی کے لئے بھیج دے تاکہ دونوں کے یکجا رہنے سے یہ جو سلطنت کے کام بگڑ رہے ہیں اور ملک کے رعب داب میں فرق آرہا ہے نہ ہونے پائے۔"

لوحانیوں نے کہا "مگر اس وقت طاقت ہماری زیادہ ہے ہم کیوں فیصلہ جلال خاں پر چھوڑیں ہم کیوں نہ اس سے اپنی بات منوائیں اور اسے صاف صاف کہیں کہ وہ ہمارے مخالفین کو اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دے اور ان کی جاگیریں ہم میں تقسیم کر دے۔"

مگر شیر خاں نہ مانا۔ اس نے کہا "وہ میرے محسن کا بیٹا ہے اس کے باپ اور ماں کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں اس پر زبردستی اپنی رائے ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ میں تو صرف ان کے ساتھیوں کے شر سے محفوظ رہنا چاہتا ہوں تاکہ دلجمعی سے سلطنت کی خدمت سرانجام دے سکوں۔ مجھے امید ہے کہ کچھ عرصہ بعد وہ خود ہی اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے بہترین سیاست یہی ہے کہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے اور عداوت کی آگ کو احسان و تلطف کے پانی سے بجھانے کی کوشش کی جائے۔"

اہلِ مجلس نے اس کے نیک خیالات کو سراہا۔

سوری اور لودھی تو پہلے ہی اس کے ہم خیال تھے۔ اب اپنے حامی لوحانیوں کو اس بارہ میں اپنا ہم خیال بنانے کے بعد اس نے جلال خاں کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی جس کا مضمون حسبِ ذیل تھا:

"جب آپ کے والد مرحوم نے سلطنت کا کاروبار اور آپ کی تربیت میرے سپرد کی اس وقت آپ خورد سال تھے۔ اس لئے آپ کو یاد نہیں ہوگا کہ بعض لوحانی سرداروں کو حسد کے باعث سلطان مرحوم کا یہ اقدام پسند نہیں آیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد جب آپ کی والدہ محترمہ ملکہ مرحومہ نے بھی امورِ ملکی میرے سپرد رہنے دیئے تو انہیں اور زیادہ دکھ ہوا۔ اور انہوں نے ہر وقت میری برائی کرنا اپنا شعار بنا لیا مگر چونکہ میرا حساب پاک تھا۔ اس لئے وہ کوشش کے باوجود میرے خلاف نہ کوئی الزام لگا سکے اور نہ میری کوئی بددیانتی ثابت کر سکے۔

"مجھ تک ان کی سب باتیں پہنچتی رہیں مگر میں ان سے چشم پوشی کرتا رہا۔ نہ میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور نہ ان کے اعزاز و اکرام میں کمی کی میں نے ان کی مخالفت کا جواب مخالفت سے نہ دیا کیونکہ میں افغانوں میں باہمی مخالفت اور عداوت کی بجائے باہمی موافقت اور محبت دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ اسی باہمی مخالفت کے باعث ہم دہلی کی سلطنت گنوا چکے ہیں مغلوں نے سلطان ابراہیم سے جو ملک لیا وہ بزورِ شمشیر نہیں لیا۔ بلکہ ہمارے باہمی اختلاف نے انہیں یہ ملک دلایا ہے۔ اگر اب بھی ہم نہ سنبھلے تو یہ جو علاقے ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ ہم انہیں بھی گنوا بیٹھیں گے۔

"مگر اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ میرا ان کے ساتھ یہاں رہنا مشکل ہے لوحانیوں کو اپنی کثرت پر ناز ہے اور وہ دن رات مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہیں۔ آپ ان میں سے ایک گروہ کو جسے آپ پسند کرتے ہوں اپنے پاس رکھ لیں اور دوسرے گروہ کو جاگیروں پر بھیج دیں تاکہ وہ مالیہ وغیرہ جمع کرنے کا کام سرانجام دے۔"

"چونکہ اب حالات بہت بگڑ گئے تھے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہ باتیں آپ کے گوش گزار کر دوں۔ جان سب کو عزیز ہوتی ہے مجھے بھی اپنی جان عزیز ہے اور میں اسے بلا مقصد ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

"میں نے سب حالات آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ جو فیصلہ کریں گے مجھے اس کا پابند پائیں گے۔"

شیر خاں نے یہ عرضداشت اپنے وکیل کے ذریعے جلال خاں کو بھجوا دی۔ جلال خاں نے اسے پڑھا تو وکیل کو بلا کر کہا "شیر خاں سے کہہ دو کہ ہم اس کی وفاداری اور قابلیت کے قدردان ہیں۔ ہمیں ان سب حالات کا علم ہے۔ اس وقت دشمنوں کا زور ہے۔ ذرا ان کا زور کم ہو جائے تو میں خود اس سارے معاملہ کی تحقیقات کروں گا اور اس کے متعلق اپنا فیصلہ دوں گا۔

"بہتر ہے کہ شیر خاں خود یہاں آئے تاکہ بالمشافہ گفتگو ہو سکے۔ بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں اور نہ انہیں دوسروں کے ذریعے سے پہنچایا جا سکتا ہے۔"

مگر شیر خاں نے اس کے پاس آنے سے معذرت کر دی اور کہلا بھیجا کہ "میں نے آپ کی خیر خواہی کے پیشِ نظر یہ باتیں عرض کی تھیں۔ اب ان پر عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔"

اب جلال خاں نے شیر خاں کے مخالف لوحانیوں کو طلب کیا اور انہیں شیر خاں کی عرضداشت کے مضمون سے آگاہ کیا۔ پھر کہا "افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے بعض لوحانی بھائی ہی اس سے جا کر مل گئے ہیں انہوں نے ہی شیر خاں کو ہمارے مشورہ سے خبردار کر دیا تھا۔ اب آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

لوحانیوں نے کہا "ہمیں راز فاش ہو جانے کا تو کوئی ملال نہیں۔ ہمیں ملال صرف اس بات کا ہے کہ ہمارے بعض لوحانی بھائی اس کے ساتھ مل گئے ہیں شیر خاں اس وقت بہت طاقتور ہے اس کے پاس زر و مال بھی بہت ہے اور سپاہ بھی۔ مغلوں سے بھی اس کا گٹھ جوڑ ہے۔ جو روپیہ وہ حاصل کرتا رہا ہے اسے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی بجائے اس سے اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہا ہے۔ اسی بات سے ہمارا اس کے ساتھ بگاڑ شروع ہوا تھا۔ ابراہیم خاں کو شکست ہم نے دی اور سارا مال و متاع اور گھوڑے ہاتھی شیر خاں ہضم کر گیا۔ حالانکہ اسے چاہیئے تھا کہ وہ یہ سارا مال آپ کی خدمت میں پیش کرتا کیونکہ صاحبِ تخت و تاج آپ تھے۔ اب کہ یہ مخالفت بہت بڑھ چکی ہے۔ ہم دونوں گروہوں کا یکجا رہنا ناممکن ہے۔

"اندرونِ ملک شیر خاں سے ہماری مخالفت ہے۔ بیرونِ ملک شاہِ بنگال سے ہماری دشمنی ہے۔ اکیلے ہم نہ شیر خاں کا مقابلہ کر سکتے ہیں نہ شاہِ بنگال کا اس لئے بہترین تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ہم شاہِ بنگال کے پاس چلے جائیں اور اس کی مدد سے شیر خاں کو یہاں سے نکال دیں۔ لیکن شیر خاں کے یہاں رہتے ہوئے ہم شاہِ بنگال کے پاس نہیں جا سکتے چونکہ اس نے خود جاگیر پر چلے جانے کی پیشکش کی ہے اس لئے آپ اسے کہیں کہ وہ جاگیر پر چلا جائے تاکہ ہمارے لئے راستہ صاف ہو جائے اور ہم آسانی سے بنگال جا سکیں۔"

لوحانیوں کی یہ احمقانہ رائے جو خودکشی کے مترادف تھی جلال خاں کو بہت پسند آئی۔ اس نے شیر خاں کو بلا کر کہا "میں آپ کی خیر خواہی کے لئے آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس ملک کو جو بھی ترقی ہوئی ہے وہ آپ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس وقت جو لوحانی آپ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ جلد ہی اپنے کئے کی سزا پا لیں گے۔ اس وقت ہمیں دو دشمنوں کا سامنا ہے۔ ایک طرف مغل ہیں اور دوسری طرف بنگالی۔ آپ اپنی جاگیر پہ چلے جائیں اور مغلوں کا خیال رکھیں۔ میں یہاں شاہِ بنگالہ کے مقابلہ پر

رہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اپنے پرانے اتالیق و سرپرست کو اسپ و خلعت سے نوازا اور اسے رخصت کر دیا۔

شیر خاں اس کی ملازمت سے آزاد ہو کر اپنے لاؤ لشکر سمیت اپنی آبائی جاگیر سہسرام پہنچ گیا۔

اس کے جاتے ہی جلال خاں بلا توقف سیدھا اپنے دشمن شاہ بنگال کے پاس چلا گیا اور اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی حکومت اور اختیارات کا خاتمہ کر لیا۔

شیر خاں نے سنا تو بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا "اب ملک بہار میرے قبضہ میں سمجھو۔ جلال خاں کے خلاف تو میں کوئی کاروائی کر نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے باپ اور ماں کے مجھ پر بہت احسانات تھے۔ مگر شاہ بنگالہ کا مقابلہ کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں۔ ایک دفعہ اس سے مجھے نپٹ لینے دو پھر دیکھنا میں کس طرح مغلوں کو ہند سے نکالتا ہوں اور افغانوں کی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرتا ہوں۔"

ساتھ ہی اس نے مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں اور اس مقصد کے لئے مزید لشکر کی بھرتی کھول دی۔ جہاں کہیں افغان تھے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے جو قومی حمیت کی خاطر آیا اسے عزت کے ساتھ قبول کیا جس نے زر مانگا اسے زر دیا اور اس اس طرح ایک نیا لشکر بھرتی کر کے پھر اسے زبردست فوجی تربیت دی۔ انہی ایام میں ایک رات ایک خرقہ پوش درویش نے اسے شہنشاہ دہلی کہہ کر پکارا جس کا ذکر شروع باب میں ہے اس سے اس کی اپنی ہمت بھی بڑھ گئی اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔ اور وہ اور زیادہ تندہی اور جانفشانی سے اس کی خدمت کرنے لگے۔

بنگالی لشکر ابراہیم خاں کی زیر قیادت بہار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے ابراہیم کا والد قطب خاں شیر خاں کے مقابلہ میں لڑتا ہوا مارا جا چکا تھا۔ شاہ بنگال نے اپنے لشکر کی کمان ابراہیم خاں کے سپرد کی تاکہ وہ اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے لئے اور زیادہ بے جگری سے لڑے۔ ابراہیم خاں بہادر سپاہی تھا مگر اچھا جرنیل نہ تھا۔ نوجوان ہونے کے باعث اس میں احتیاط کم تھی اور جوش زیادہ، پھر وہ اپنی سپاہ کی تعداد، سامان جنگ کی کثرت اور جنگی ہاتھیوں کے باعث بہت مغرور تھا اور شیر خاں اور اس کے لشکر کو بالکل خاطر میں نہ لاتا تھا۔

آخر دونوں لشکروں نے آمنے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔

شیر خاں نے حسب معمول اپنے لشکر گاہ میں کہگل کا ایک قلعہ خام تیار کرایا اور اس کی تیاری میں خود بھی سپاہیوں کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ دراصل افغانوں میں مساوات کا احساس دوسروں سے کچھ زیادہ تھا اور شیر خاں اس بات کو پا چکا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سرتاپا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا اور اسلام میں مساوات کو ایک بنیادی اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ ابراہیم لودھی اور خود شیر خاں کے جانشین اس نکتہ کو نہ پا سکے۔ انہوں نے افغانوں کو بہت زیادہ دبا کے رکھنا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کش مکش میں اپنی سلطنت ہی گنوا بیٹھے۔ شیر خاں نہ صرف ان کے ساتھ مل کر معمولی سے معمولی کام کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتا بلکہ بسا اوقات کام کرتے کرتے وہیں زمین پر بیٹھ جاتا۔ عام سپاہیوں اور رعیت سے براہ راست بات چیت کرتا اور یہ وہی کر سکتا ہے جس کا اپنا کردار بہت بلند ہو اور جسے اپنے آپ پر پورا ضبط ہو۔ علاوہ ازیں اس نے افغانوں میں قومی جذبہ پیدا کیا اور ان کے سامنے مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے اور ان سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کا مقصد رکھا تاکہ وہ اس مقصد کے پیش نظر ذاتی اغراض سے قطع نظر کر کے آپس میں متحد ہو سکیں۔

لشکر آمنے سامنے پڑے تھے۔ شیر خاں کے آدمی موقع کی تلاش میں رہتے۔ جب موقع پاتے خام قلعہ سے نکل کر دشمن پر حملہ آور ہوتے انہیں مارتے اور اپنے قلعہ کے اندر لوٹ آتے۔ اگر بنگالی ان کے خام قلعہ پر حملہ کرتے تو اندر رہ کر ان کا مقابلہ کرتے اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے۔ کچھ عرصہ یہی حالت رہی۔ ان جھڑپوں میں بنگالیوں کو زیادہ نقصان پہنچا۔ ان کے حوصلے پست ہوتے گئے اور شیر خانی فوج کے حوصلے بڑھتے گئے شیر خاں کو ایک اور فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنے ملک بہار کے اندر تھا۔ جہاں اس کے تعلقات تھے اور جس کی چپہ چپہ زمین سے وہ واقف تھا۔ اس لئے اسے رسد حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ اس کے برعکس جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ رسد کے معاملہ میں بنگالیوں کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب ابراہیم کے غرور میں بھی کمی آ گئی۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ موجودہ لشکر کے ساتھ وہ شیر خاں کو شکست نہیں دے سکتا چنانچہ اس نے محمود شاہ والی بنگال کی خدمت میں مزید لشکر کے لئے عریضہ بھیجا شیر خاں کا انتظام خبر رسانی ہمیشہ اعلیٰ رہا۔ مکمل باخبری کو وہ اپنی قوت سمجھتا تھا اور اسی پر اس کی تمام تجاویز و تدابیر کا انحصار ہوتا تھا۔ اس موقع پر بھی اسے پتا چل گیا اس نے سوچا کہ مزید کمک پہنچنے سے پہلے ان پر حملہ کر دینا چاہیئے۔ مگر حسب عادت مجلس مشاورت طلب کی جس میں تمام بڑے بڑے سرداروں کو بلایا اور کہا:

"اب تک میں نے مصلحتاً عام حملہ کا حکم نہیں دیا تھا میں یہ چاہتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے معرکوں سے بنگالیوں کا غرور توڑ دوں تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ان کی کثرت تعداد ہماری تیغ زنی اور شجاعت کے مقابلہ میں قطعاً بے کار ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب میرا یہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔ بنگالی فوج کے حوصلے پست ہیں اور ہمارے حوصلے بڑھ چکے ہیں میں نے سنا ہے کہ ابراہیم خاں نے اپنے بادشاہ کو مزید کمک کے لئے درخواست بھیجی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ بنگالیوں کو مزید کمک پہنچنے سے پہلے پہلے ان پر عام حملہ کر کے ان کا قصہ پاک کر دیا جائے آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

"ہم پہلے ہی اس خیال کے تھے" سرداروں نے کہا "ہم تو فقط آپ کے اشارے کے منتظر تھے۔"

"پھر کل صبح حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیے۔ شیر خاں نے کہا اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو سامنے رکھیئے۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً ------

"اِنْ شَاءَ اللّٰہ ہم باوجود قلت تعداد ان کی کثرت کے پرخچے اڑا دیں گے اور وہ زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

"اِنْ شَاءَ اللّٰہ" سب نے جوش سے کہا۔

اس فیصلہ کے بعد اس نے اپنے وکیل کے ذریعے سے ابراہیم خاں کو کہلا بھیجا "آپ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ہم قلعہ خام سے باہر نکل کر آپ کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے ہم نے آج تک اس سے گریز کی۔ ہمارا خیال تھا شاید صلح صفائی کی صورت نکل آئے اور مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ و قتال کی نوبت نہ آئے۔ اگر آپ لوگ صلح پر راضی نہیں تو پھر کل لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے کل ہم حملہ عام کریں گے۔ آپ بھی اپنی ہمت آزمائیں۔ ہم بھی آزمائیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ فتح یاب ہو جائے گا۔"

"ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

— ابراہیم خاں نے کہلا بھیجا "صلح کی کوئی صورت نہیں۔ ہم کل کی جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ امید ہے آپ لوگ بھی اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے۔"

شیر خاں نے نہ صرف جنگ سے پہلے دشمن کو صلح کا پیغام دیا بلکہ اسے خبردار بھی کر دیا۔

اگلے روز شیر خاں حسبِ معمول ایک تہائی شب رہے بیدار ہوا۔ لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور خود نمازِ تہجد میں خالقِ حقیقی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز سے گلہائے عقیدت پیش کرنے لگا۔ لشکر تیار ہو کر قلعہ سے باہر آیا۔ شیر خاں خود نمازِ فجر با جماعت ادا کر کے باہر نکلا اور آتے ہی اپنے سرداروں اور کمانڈروں کو جمع کر کے ان سے یوں گویا ہوا:

"آپ جانتے ہیں، دشمن تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے۔ ہم انہیں اسی صورت شکست دے سکتے ہیں جب ان کی صفوں کی وہ ترتیب جس میں وہ اس وقت اپنے آپ کو آراستہ کر رہے ہیں قائم نہ رہے۔ اگر آپ ان کی صفوں کی ترتیب درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر آپ نے یہ جنگ جیت لی۔ صرف اسی صورت میں ہم اپنی قلیل تعداد اور معمولی سامانِ جنگ سے انھیں شکست دے سکیں گے ورنہ نہیں۔

" میرے ذہن میں یہ تجویز ہے کہ ہم فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ فوج اس ٹیلہ کے عقب میں رہے اور دوسرا حصہ بنگالیوں پر حملہ آور ہو۔ حملہ آور تھوڑی سی لڑائی لڑ کے واپس مڑ جائیں۔ بنگالی پیچھا کریں گے تو ان کی صفوں کی ترتیب خود بخود ختم ہو جائے گی۔ جونہی وہ ٹیلہ کے قریب پہنچیں وہاں کی فوج ان پر حملہ آور ہو جائے اور اس طرح انہیں ختم کر کے رکھ دے۔"

سرداروں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔

شیر خاں نے عین لڑائی کی صبح سرداروں کو تدبیرِ جنگ سے آگاہ کیا تاکہ رازِ افشا ہونے کا خطـــرہ نہ رہے۔

شیر خاں نے خود نصف سے زیادہ فوج کے ساتھ ٹیلہ کے پیچھے پوزیشن لے لی باقی فوج آگے بڑھی۔ دوسری طرف سے ابراہیم خاں کا لشکر بڑھا۔ آگے آگے ہاتھی تھے۔ پیچھے سوار اور ان کے پیچھے پیادے۔ شیر خانی سرداروں نے زبردست حملہ کیا۔ مگر تھوڑی سی لڑائی لڑ کے راہِ فرار اختیار کی۔ بنگالی سرداروں نے تعاقب کیا اور جوش میں اپنی صف بندی توڑ کر ہاتھیوں کی صفوں سے آگے نکل آئے جونہی وہ ٹیلہ کے برابر سے آگے بڑھے۔ شیر خاں اپنی فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اب بھاگتے ہوئے شیر خانی جانباز بھی مڑے۔ اور بنگالی دونوں لشکروں کے درمیان آ گئے۔ وہ اس غیر متوقع صورتِ حال کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ صفیں ان کی پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔ خیر کچھ سنبھلے اور مقابلہ شروع ہوا۔ کچھ دیر جنگ ہوئی جس میں بے شمار بنگالی کام آئے باقی ماندہ نے راہِ فرار اختیار کی۔

ابراہیم خاں ثابت قدمی سے میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بار بار غیرت دلائی مگر اس کے لشکر کے پاؤں نہ جم سکے۔ ابراہیم خاں کے ساتھیوں نے اس سے کہا "فتح کی اب کوئی امید نہیں۔ تمام بڑے بڑے سردار میدانِ جنگ سے بھاگ چکے ہیں آپ کے ساتھ گنتی کے چند جاں نثار رہ گئے ہیں۔ آپ کیوں اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ آپ بھی کسی طرف نکل جائیے" مگر وہ نہ مانا۔ "جب مرنا برحق ہے" اس نے کہا "تو پھر کیوں نہ یہاں مردوں کی طرح جان دوں۔ لوگ یہ تو کہیں گے ابراہیم خاں اگرچہ فتح حاصل نہ کر سکا مگر اس نے فتح کے لئے جان توڑ دی"۔

چنانچہ ابراہیم خاں وہیں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

شیر خاں کو زبردست فتح ہوئی اور بے شمار سامانِ جنگ اور مالِ غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ ساتھ ہی وہ تمام ملکِ بہار پر بلا شرکتِ غیرے قابض ہو گیا اور بنگال کے کچھ پرگنے بھی اس کے تصرف میں آ گئے۔ اب وہ کسی دوسرے کا محتاج نہ رہا۔ بلکہ خود فرماں روا بن گیا۔

ملک قبضہ میں آ جانے کے بعد وہ اس کا انتظام بہتر بنانے اور اس کی زراعت و تجارت کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہوا مگر ساتھ ساتھ اپنی فوجی طاقت کو بھی مضبوط کرتا رہا۔

ایک تو وہ انتظامی امور میں خود براہِ راست دلچسپی لیتا تھا۔ انھیں امرا پر نہیں چھوڑتا تھا۔ دوسرے ملک کے ہر حصہ کے دم بدم کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ اس کا شعبۂ خبر رسانی بہت وسیع اور بہت زبردست تھا۔ اس لئے کوئی اسے گمراہ نہیں کر سکتا تھا۔ تیسرے کسی کی رو رعایت نہیں کرتا تھا۔ عدل اس کی طبیعت کا سب سے بڑا جزو تھا۔ جو کوئی اس کی ملازمت اختیار کرتا اسے شروع ہی میں کہہ دیتا "تمہاری مقررہ تنخواہ اور بھتہ تمہیں باقاعدگی سے ملے گا۔ اس میں ایک فلوس کی کمی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تم نے کسی پر ظلم یا تعدی سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی تو تمہیں وہ سزا دوں گا کہ اوروں کے لئے باعثِ عبرت ہو"۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ سرکاری ملازم اپنا کام فرض شناسی سے بجا لاتے نہ سرکاری مال غبن کرتے اور نہ لوگوں سے ظلم و تعدی کے ذریعے سے کچھ وصول کرنے کی جرأت کرتے۔

. ان خوبیوں کے باعث بہار پر اس کے قبضہ کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ملک خوشحال ہو گیا۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ زراعت بڑھی۔ تجارت پھیلی خزانہ معمور ہو گیا۔ حکومت کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اطراف و جوانب سے قابل اور بہادر لوگ اس کی ملازمت میں آنے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ شیر خاں کے پاس اس کا مستقبل محفوظ ہوگا۔ اسے تنخواہ باقاعدگی سے ملے گی اور اس کے لئے ترقی کے راستے کھلے ہوں گے۔ اس پر ظلم نہیں ہوگا۔ اس زمانہ کے عام فرماں رواؤں کے درباروں کی طرح اس کی زندگی اور موت کا انحصار فرماں روا کے اشارۂ چشم و ابرو پر نہیں ہوگا۔ بلکہ اصولوں کے مطابق اسے سزا ملے گی اور اصولوں کے مطابق اسے ترقی دی جائے گی۔

قلعہ چنار گڑھ

لاڈلی بیوی کو زخمی دیکھ کر تاج خاں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ناہنجار! ماں پر حملہ کرتا ہے" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے نوجوان بیٹے پر حملہ آور ہوا بیٹے نے جان کے خوف سے مقابلہ کیا۔

بیٹا بچ گیا، باپ زخمی ہوا۔

محل میں شور مچ گیا۔

تاج خاں انہی زخموں سے چل بسا اور اس کا بیٹا وہاں سے بھاگ گیا۔

یہ واقعہ قلعہ چنار گڑھ میں پیش آیا جو اس زمانہ میں ایک مشہور قلعہ تھا۔ آجکل یہ جگہ ضلع مرزا پور صوبہ یوپی میں واقع ہے۔ یہاں ابراہیم لودھی کا خزانہ محفوظ تھا اور اس کی طرف سے تاج خاں سارنگ خانی حاکم مقرر تھا۔ تاج خاں نے پچھلی عمر میں ایک حسین و جمیل عورت، لاڈو ملکہ سے شادی کی اور اس پر اس قدر فریفتہ ہوا کہ اپنا تمام مال و خزانہ اس عورت کے ہاتھ میں دے دیا اور اپنی اولاد سے بالکل منہ موڑ لیا۔ تاج خاں کے کرتا دھرتا میر احمد،

میر اسحاق اور میر داد نامی تینوں افغان بھائی تھے۔ تاج خاں چل بسا تو لاڈو ملکہ جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ سخاوت و مروت سے بھی آراستہ تھی، بدستور قلعہ و خزانہ پر قابض رہی اور متذکرہ صدر تین بھائی بھی اسی طرح انتظام و حکومت میں دخیل رہے۔ تاج خاں کے بیٹوں کو کسی نے نہ پوچھا۔

شیر خاں لشکر بنگالہ کو شکست دے کر بہار پر قابض ہوا تو اس کی بہادری، دور اندیشی اور حسن انتظام کی شہرت پھیلی اور آہستہ آہستہ افغانوں میں اسے اپنا قومی ہیرو تصور کرنے کا جذبہ پرورش پانے لگا۔ عام افغانوں کو اس سے محبت ہو گئی۔ وہ اس پر فخر کرنے لگے اور اس کی مدد کرنا فریضۂ قومی سمجھنے لگے۔ شیر خاں بھی اپنی زندگی کا مقصد یہی سمجھتا تھا کہ وہ افغانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے مغلوں کو ہند سے نکال دے اور دوبارہ دہلی کی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرے۔

شیر خاں نے سوچا کہ اگر لاڈو ملکہ اس کے نکاح میں آجائے تو اسے ایک ہمہ صفت موصوف رفیقۂ حیات کے ساتھ ایک مضبوط قلعہ اور بے شمار مال و خزانہ بھی مل سکتا ہے جو اس کے آئندہ عزائم کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے میر احمد کو پیغام بھیجا کہ وہ میر داد کو اس کے پاس روانہ کرے اسے اس سے ایک ضروری کام ہے۔ میر احمد معاملہ فہم انسان تھا۔ فوراً بھانپ گیا کہ شیر خاں کیوں اس کے بھائی کو بلاتا ہے۔ اس نے دونوں بھائیوں کو بلایا اور کہا "اگرچہ لاڈو ملکہ حکومت کی قابلیت رکھتی ہے مگر پھر بھی عورت ہے۔ اس وقت فتنہ و فساد کا دور اور انقلاب کا زمانہ ہے۔ ہر شخص کی نظر اس قلعہ و خزانہ پر ہے ایسا نہ ہو کہ کسی وقت کوئی یہاں حملہ کر دے اور قلعہ و خزانہ کے ساتھ ہماری عزت و آبرو بھی جائے۔ اس وقت افغانوں میں شیر خاں کا طوطی بول رہا ہے ویسے بھی وہ بہادر، ہوشیار اور نیک آدمی ہے۔ کیوں نہ ہم خود ہی یہ قلعہ اس کے حوالہ کر دیں۔ قلعہ و خزانہ بھی افغانوں کی سربلندی کے مقصد میں کام آئے گا اور ہمارا اس پر احسان بھی رہے گا اور ہم اچھے عہدوں پر بھی فائز رہیں گے۔"

میر احمد کے بھائیوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔

پھر تینوں بھائی لاڈو ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیر خاں کی چٹھی اس کی خدمت میں پیش کی اور کہا "ہم آپ کے تابع فرمان ہیں جو حکم ہو ویسے کیا جائے۔"

لاڈو ملکہ خود بھی سمجھدار عورت تھی۔ بولی "ریاست کے معاملات آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ کی خیر خواہی مسلمہ ہے آپ ہی مجھے کچھ مشورہ دیں۔" انہیں خاموش اور متذبذب پایا تو میر احمد سے مخاطب ہو کر کہا "میں آپ کو باپ کی جگہ سمجھتی ہوں۔ آپ کسی جھجک کے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔"

"عرض تو کرتا ہوں" میر احمد نے کہا "مگر مجھے ڈر ہے کہ آپ کہیں آزردہ خاطر نہ ہو جائیں۔"

لاڈو ملکہ نے اسے اور تسلی دی۔

میر احمد بولا "اگرچہ آپ عورتوں میں بے مثال ہیں مگر پھر بھی عورت ہیں۔ آپ کی اولاد ہوتی تو اور بات تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور رہا۔ آج کل زمانہ بدامنی کا ہے ملک میں انقلاب آرہا ہے۔ جا بجا لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ نئے نئے سردار پیدا ہو رہے ہیں ہر ایک کی نظر اس قلعہ و خزانہ پر ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم کسی طاقتور سردار کا سہارا ڈھونڈیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ و خزانہ کے ساتھ عزت و آبرو بھی گنوا بیٹھیں۔ شیر خاں اس وقت طاقتور سردار ہے۔ نیک اور بہادر بھی ہے۔ افغان اسے اپنی امیدوں کا مرکز سمجھتے ہیں۔ غالباً وہ آپ سے نکاح کا خواہاں ہے۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو یہ قلعہ بھی آپ کے پاس رہے گا اور آپ کی عزت و آبرو میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔"

لاڈو ملکہ نے کہا "شیر خاں نے میر داد کو بلایا ہے اسے وہاں بھیج دو۔ دیکھو وہ اس سے کیا بات کرتا ہے۔ میں بھی سمجھتی ہوں کہ اب قلعہ کی حفاظت روز بروز مشکل ہو رہی ہے۔ اور کسی طاقتور سردار کا سہارا لئے بغیر چارہ گزارہ نہیں ہوگا مگر شیر خاں سے یہ وعدہ ضرور لینا کہ وہ اس ناہنجار کے جو اپنے باپ کا قاتل ہے، ناک کان کاٹ دے گا تاکہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔"

میر احمد نے بھائیوں سے مشورہ کرنے اور لاڈو ملکہ کا عندیہ معلوم کرنے کے بعد میر داد کو شیر خاں کے پاس روانہ کیا۔ شیر خاں نے اس کی بہت خاطر مدارات کی اور کہا "میں نے تمہیں اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں لاڈو ملکہ کو نکاح کا پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہ ہر بات کا فیصلہ آپ بھائیوں کے مشورہ سے کرتی ہے اگر آپ لوگ میرے حق میں مشورہ دیں تو میں ممنونِ احسان ہوں گا۔"

"آپ کا فرمان سر آنکھوں پر" میر داد بولا "مگر کام ذرا مشکل ہے۔ کون کسی کو قلعہ خزانہ دیتا ہے۔ یہ بادشاہ کی چیز تھی اور اب بھی کسی بادشاہ ہی کے سپرد کی جا سکتی ہے۔ آپ نے میری بہت عزت افزائی کی ہے میں بھی جواباً آپ کے لئے پوری کوشش کروں گا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کام بن جائے گا۔ اور لاڈو ملکہ ہماری بات کو رد نہیں کرے گی۔

مگر ایک عرض ہے جب یہ کام آپ کی مرضی کے مطابق انجام پا جائے پھر آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جس سے ہم تینوں بھائیوں کو شرمندگی یا رسوائی اٹھانی پڑے۔"

شیر خاں نے حلف اٹھایا اور اس کی ہر طرح سے تسلی کی اور کہا "آپ کو تاحیات مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ میں آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھوں گا جو دوسروں کے لئے کشش کا موجب ہو اور وہ میری ملازمت میں آنا باعث فخر سمجھیں۔"

میر داد نے واپس آکر بھائیوں کو ساری بات چیت کہہ سنائی۔ بھائی پہلے ہی یہ جانتے تھے۔ لاڈو ملکہ بھی راضی تھی۔ کچھ دیر بعد میر داد واپس شیر خاں کے پاس گیا۔ اسے مبارکباد دی اور اپنے ساتھ چنار گڑھ لے آیا۔ آتے ہی نکاح پڑھایا گیا اور شیر خاں قلعہ پر قابض ہو گیا۔ لاڈو ملکہ نے شیر خاں کو بہت سے بیش بہا زر و جواہر اور ڈیڑھ سو من سونا پیش کیا۔ یہ چنار گڑھ کا قلعہ، خزانہ، اردگرد کے پرگنے اور یہ مال و دولت سب کے سب بغیر کسی لڑائی کے شیر خاں کے قبضہ میں آگئے۔

اسی دوران میں سلطان سکندر لودھی کے ایک نامی امیر نصیر خاں کی بیوہ نے وفات پائی اور اس کا ساٹھ من سونا بھی شیر خاں کو مل گیا۔

شیر خاں نے اس دولت سے مزید فوج بھرتی کی اور اپنے آپ کو اور زیادہ مضبوط اور طاقتور بنالیا۔

سلطان محمود لودھی

سنہ ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۶ء میں بابر، ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر تخت دہلی پر قابض تو ہو گیا مگر ابھی کئی مرحلے باقی تھے۔ بہت سے لودھی امراء آزاد و خود مختار تھے۔ میواتی سرداروں نے بھی بابر کی بالادستی کو قبول نہیں کیا تھا۔ راجپوت الگ اپنی سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ تینوں گروہ مغلوں کو غاصب

تصور کرتے تھے اور ان کے خلاف تھے چنانچہ چتوڑ کے رانا سانگا اور حسن خاں میواتی نے لودھی امرا سے مل کر سلطان سکندر لودھی کے بیٹے کو سلطان محمود کے لقب سے تخت نشین کیا اور بابر سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ سنہ ۹۳۳ھ میں سیکری کے پاس لڑائی ہوئی۔ جس میں ان کی متحد فوجوں نے شکست کھائی۔ رانا سانگا اور سلطان محمود چتوڑ واپس آ گئے حسن خاں میواتی مارا گیا۔ سلطان محمود کچھ دیر چتوڑ میں رہا۔ سنہ ۹۳۶ھ میں بابر کی عدم موجودگی میں اس نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا۔ مگر زیادہ دیر اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا۔ اس وقت مسندِ عالی اعظم ہمایوں ثانی (جو سلطان محمود کا خسر تھا) مسندِ عالی عیسیٰ خاں، ابراہیم خاں، یوسف خیل وغیرہ تمام بڑے بڑے افغان امرا اس کے ہمراہ تھے جب انہوں نے دیکھا کہ بہار پر شیر خاں قابض ہو گیا ہے تو انہوں نے اس طرف کا رخ کیا۔

جب شیر خاں کو معلوم ہوا کہ سلطان لودھی اس کی طرف آ رہا ہے تو وہ خود اس کے استقبال کو گیا اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ سلطان محمود بہار میں آیا تو اس کے امرا نے تمام ملک کو جاگیریں بنا کر آپس میں تقسیم کر لیا۔ صرف شیر خاں کی ذاتی جاگیر اس کے پاس رہ گئی ویسے وہ شیر خاں کو اطمینان دلاتے رہے اور اسے کہتے رہے تم فکر نہ کرو ہم جونپور فتح کریں گے تو بہار تمہیں واپس کر دیں گے بلکہ یوں سمجھو کہ جیسے سلطان سکندر لودھی نے یہ ملک دریا خاں لوحانی کے حوالے کر دیا تھا۔ اسی طرح سلطان محمود نے یہ ملک تمہیں دے دیا ہے۔ شیر خاں نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو پھر مجھے اس کا فرمان عطا ہو جائے۔" سلطان محمود نے فوراً ملکِ بہار کا فرمان شیر خاں کے نام لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔

سلطان محمود میں وہ خوبیاں نہ تھیں کہ وہ مغلوں کے خلاف افغان تحریک کی قیادت کر سکتا۔ وہ کنیزوں اور ناچنے والیوں سے بہت میل جول رکھتا تھا اور لہو و لعب کا شوقین تھا۔ افغان سرداروں نے اسے ضرورتاً وقتی طور پر اپنا سربراہ بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہ شاہی لودھی خاندان کا فرد تھا۔ وہ اسے آگے رکھ کر اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ ورنہ اس میں دل و دماغ کی کوئی ایسی خوبیاں نہ تھیں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتیں شیر خاں بھی سمجھتا تھا۔ وہ چند ماہ اس کے پاس رہا۔ اس نے اسے جتنا قریب سے دیکھا اتنا ہی اسے زیادہ یقین ہو گیا کہ اگر سلطان محمود دہلی کی سلطنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو وہ اسے برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ نہ اسے عدل و انصاف سے چلا سکے گا نہ سلطنت کی خرابیوں کو رفع کر سکے گا اور نہ افغان امرا کو اپنے جھنڈے تلے متحد رکھ سکے گا اور نہ اس کی سلطنت سے عوام الناس کو کوئی فائدہ پہنچے گا۔ چند ماہ بعد شیر خاں اس سے اجازت لے کر اپنی جاگیر پر واپس آ گیا۔

اس اثنا میں (سنہ ۹۳۷ھ) بابر نے وفات پائی اور اس کی جگہ ہمایوں تخت نشین ہوا سلطان محمود کے افغان امرا نے یہ موقع غنیمت جانا اور ہمایوں کے خلاف فوج کشی کی تیاری کرنے لگے۔ جب افغان لشکر نے جونپور کی جانب کوچ کیا تو سلطان محمود نے شیر خاں کو پیغام بھیجا کہ وہ فوراً لشکر کو ہمراہ لے کر شاہی لشکر کے ساتھ شامل ہو مگر شیر خاں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ وہ بعض ضروری امور کے انتظام میں مصروف ہے ان سے فارغ ہو کر حاضرِ خدمت ہو جائے گا۔"

افغان امرا نے شیر خاں کے جواب کو اس کی بدنیتی پر محمول کیا۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ محض ٹال مٹول کر رہا ہے اور سلطان محمود کے ساتھ مل کر مغلوں سے لڑنا نہیں چاہتا اور یہ تھا بھی درست۔

بعض امرا نے کہا اسے ساتھ لے کر چلنا چاہیئے۔ ورنہ وہ بعد میں نہیں آئے گا۔

اعظم ہمایوں شیروانی نے کہا "اسے ساتھ لے جانے کی تدبیر بالکل سہل ہے ہم کوچ کرتے ہوئے اس کی جاگیر کی طرف چلیں۔ چند دن اس کے پاس ٹھہریں اور اس کی مہمانی کا لطف اٹھائیں۔ پھر اسے ساتھ لے کر آگے بڑھ جائیں۔"

سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور سلطان محمود نے امرا اور لشکر سمیت سہسرام کا رخ کیا۔

شیر خاں نے سنا تو متفکر ہوا۔ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "اعظم ہمایوں اور مسندِ عالی عیسیٰ خاں صاحب تدبیر امیر ہیں۔ انہوں نے میری تدبیر چلنے نہیں دی۔ میں سلطان محمود کے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ خود صاحب تدبیر اور دور اندیش نہیں۔ نہ اس کے امرا میں باہمی اتفاق ہے۔ بعض امرا جو دلیر ہیں۔ ان میں سیاسی شعور کا فقدان ہے اور جو سیاسی شعور رکھتے ہیں۔ وہ دلیر نہیں۔ ان کے ساتھ شامل ہونا اپنے آپ کو خرابی میں ڈالنا ہے مگر اب وہ ادھر آ رہے ہیں تو ان کے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔ آپ لوگ لشکر کو تیاری کا حکم دیں۔ میں سلطان کے استقبال کو جاتا ہوں۔"

شیر خاں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا اور اسے ساتھ لے آیا۔ کئی روز اسے اپنے پاس رکھا اور اس کی اور اس کے امرا کی خوب خاطر مدارات کی۔ ہر ایک شخص کی اس کے مرتبہ کے مطابق خدمت کی۔ اور کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ اور امرا سب اس سے راضی ہو گئے۔ اور اس کی پچھلی کوتاہی بھول گئے۔ ہر ایک کی زبان پر اس کی تعریف تھی۔ جسے سنو وہی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

افغان لشکر شیر خاں سمیت جونپور کی جانب بڑھا۔ جب جونپور کے نزدیک پہنچے تو وہ مغل جو وہاں تھے۔ اسے خالی کر کے چلے گئے۔ سلطان محمود نے بغیر لڑائی کے جونپور پر قبضہ کر لیا۔ اور کچھ دیر وہاں قیام کیا۔

ہمایوں نے سنا تو فوج لے کر نکلا۔ ادھر سے افغان بڑھے۔ لکھنؤ کے قریب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ ہر روز فریقین کے دلاور باہر نکلتے اور معمولی جھڑپیں ہوتیں۔ شیر خاں دل سے سلطان محمود کے ساتھ نہ تھا مجبوراً ان کے ہمراہ آ گیا تھا۔ اس نے ہمایوں کے ایک امیر ہندو بیگ کے ذریعہ سے اسے چٹھی بھیجی کہ "چونکہ میں سلطان بابر مرزا کا احسان مند ہوں۔ اس لئے مغلوں سے لڑ نہیں سکتا۔ سلطان محمود اور اس کے امرا مجھے زبردستی اپنے ہمراہ لے آئے ہیں۔ مگر میں ان کی طرف سے آپ کے خلاف لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ آپ میری طرف سے خاطر جمع رکھیں میں عین لڑائی کے دن اپنے لشکر سمیت واپس چلا جاؤں گا۔"

ہمایوں نے جواب میں لکھا "ہمیں آپ کی تجویز پسند ہے۔ اگر آپ اس موقع پر افغانوں سے الگ رہ کر ہماری مدد کریں گے تو یہ امر آپ کے لئے سرفرازی کا موجب ہو گا۔

جنگ شروع ہوئی تو عین اس وقت شیر خاں اپنا لشکر لے کر میدانِ جنگ سے چلا گیا۔ سلطان محمود نے شکست کھائی اور اس کے بیشتر امرا مارے گئے۔ سلطان محمود واپس بہار کی طرف آیا مگر وہ خود صاحب لشکر و خزانہ نہ تھا۔ اس کی تمام طاقت کا انحصار اس کے امرا پر تھا۔ کچھ امرا مارے گئے اور باقی اس سے الگ ہو گئے تو وہ دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے تخت و تاج کا خیال نکال دیا پہلے پٹنہ میں مقیم ہوا پھر اڑیسہ چلا گیا اور سنہ ۹۴۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

ہمایوں سے کشمکش

ہمایوں کو سلطان محمود پر مکمل فتح حاصل ہوئی تو اس نے بچے کھچے افغان امرا کو تہ تیغ کرا دیا۔ مگر وہ سمجھتا تھا کہ جب تک شیر خاں اور اس کا لشکر موجود ہے۔ اس وقت تک افغان خطرہ باقی ہے اور مغل اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ سلطان محمود کے لشکر کا صفایا کرنے کے بعد وہ شیر خاں کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اسے اسکی اس خدمت کا، جس کے باعث اسے فتح نصیب ہوئی تھی، وہی صلہ دیا جو عام طور سے تاریخ میں ایسی خدمات کا دیا جاتا رہا ہے۔ ہمایوں نے اپنے اسی سردار ہندو بیگ کو جس کی معرفت شیر خاں نے اسے اپنی غیر جانبداری کا یقین دلایا تھا، لکھا کہ وہ شیر خاں سے قلعہ چنار گڑھ حاصل کرے۔ شیر خاں ان دنوں بہار میں تھا۔ ہندو بیگ نے اسے قلعہ خالی کرنے کے لئے لکھا مگر وہ ٹالتا رہا۔ ہندو بیگ نے زیادہ زور دیا تو اس نے لکھ بھیجا کہ بادشاہ سے عرض کیجئے کہ قلعہ چنار مجھے عطا کر دے۔ آخر وہ خود تو یہاں قیام فرمائیں گے نہیں اسے کسی امیر کے سپرد ہی کریں گے۔ میں بھی ان کا دولت خواہ ہوں۔ میرے ہی سپرد کر دیں میں اس کا محصول خزانۂ عامرہ میں جمع کرتا رہوں گا۔"

شیر خاں کا مقصد تھا کہ اسے اس وقت ہمایوں سے ٹکر نہ لینی پڑے بلکہ اسے اپنی طاقت مستحکم کرنے کے لئے اور وقت مل جائے۔

ہندو بیگ نے جواب میں لکھا "ملک بادشاہ سلامت کا ہے۔ وہ جسے چاہیں یہ قلعہ دیں۔ تم اس پر زبردستی کیسے قائم رہ سکتے ہو۔"

شیر خاں نے دوبارہ اسے اپنے وکیل کے ذریعے سے کہلا بھیجا "میں نے آپ کے ذریعے سے شہنشاہ کی خدمت میں یہ پیشکش کی تھی کہ قلعہ چنار گڑھ کا فرمان مجھے عطا ہو جائے میں اس کا محصول ادا کرتا رہوں گا۔ میں پہلے بھی شہنشاہ کی خدمت انجام دے چکا ہوں اور سلطنت کا وفادار اور خیر اندیش ہوں۔ لیکن آپ نے میری گزارش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اگر بادشاہ مجھے تنگ کرے گا تو میں ملک بہار چھوڑ کر بنگال چلا جاؤں گا۔ وہاں بھی نہ رہنے دے گا تو آسام چلا جاؤں گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ ہمایوں تن آسان نوجوان ہے۔ وہ ان اطراف کی آب و ہوا میں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکے گا۔ آخر اسے یہاں سے جانا پڑے گا۔ پھر اس کی عدم موجودگی میں یہاں وہ فتنہ برپا ہو گا کہ کسی کو کسی کی ہوش نہیں رہے گی۔ اس وقت آپ کو میری یہ پیشکش یاد آئے گی اور آپ اپنے کئے پر پچھتائیں گے۔"

مگر ہمایوں نہ مانا۔ وہ شیر خاں کے خطرہ سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس نے اپنے فاتح لشکر کے ساتھ چنار گڑھ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ شیر خاں کو خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹے جلال خاں کو چنار گڑھ میں چھوڑا اور خود چہار کھنڈ کی طرف چلا گیا۔ جسے اب ہزاری باغ کہتے ہیں۔ ہمایوں نے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر جلال خاں کی شجاعت و پامردی کے باعث قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ہر روز جھڑپیں ہوتیں مگر ہمایوں کامیابی کا منہ نہ دیکھ سکا۔ جلال خاں کی بہادری نے دوست و دشمن سے خراج تحسین وصول کیا۔ یہ وہی جلال خاں تھا جو شیر شاہ کے بعد اسلام شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔

شروع ہی سے شیر خاں کا سلسلہ خبر رسانی بڑا وسیع تھا۔ نہ صرف اپنے ملک کے اندر بلکہ باقی ریاستوں میں بھی اس کے مخبروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ جو اسے ہر اہم واقعہ کی اطلاع دیتے رہتے تھے۔ شیر خاں کا یہ نظریہ تھا اور یہ ہے بھی صحیح کہ جب تک انسان حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو وہ صحیح طریق کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ انہی دنوں جب ہمایوں نے چنار گڑھ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ شیر خاں کو اطلاع ملی کہ سلطان بہادر شاہ والی گجرات نے قلعہ مانڈو فتح کر لیا ہے اور اب وہ دہلی کی طرف پیش قدمی کرنے کی سوچ رہا ہے گو لودھی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر مغل ابھی تک پوری طرح اپنے پاؤں جما نہیں سکے تھے۔ اس لئے طالع آزماؤں کے لئے کھلا میدان تھا۔ ہر معمولی حاکم، سلطنت دہلی کے خواب دیکھ رہا تھا اور بابر کی وفات نے ان میں سے بیشتر کو نئی امیدوں سے دوچار کر دیا تھا۔

شیر خاں نے جب یہ دیکھا کہ ہمایوں حالات سے مجبور ہو کر اب جانے ہی والا ہے تو اس نے ایک مدبرانہ چال چلی۔ جس سے ہمایوں کے لئے قلعہ چنار گڑھ کا محاصرہ اٹھانا آسان ہو گیا اور اس کے راستہ میں شاہی وقار کا سوال حائل نہ رہا۔ اس نے ہمایوں کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی۔ "میں ہمیشہ سے آپ کا وفادار غلام رہا ہوں پہلے سلطان جنید برلاس میرزا کے ماتحت مغلوں کی خدمات سر انجام دے چکا ہوں۔ حال ہی میں سلطان محمود لودھی سے جنگ کے دوران میں وفاداری کا اظہار کر چکا ہوں۔ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس سے ظاہر ہو کہ میں مغلیہ سلطنت کا دشمن ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اس دیرینہ خادم اور وفادار کو چنار گڑھ کے قلعہ کا فرمان عطا فرما دیں۔ میں یہاں آپ کے مفادات کی نگرانی کروں گا اور اس کے عوض میرا بیٹا قطب خاں آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اگر میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ حرکت ہو تو آپ اسے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں۔"

اس واقعہ سے شیر خاں کا تحمل اور دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی کم حوصلہ انسان ہوتا تو جیسے ہمایوں نے اس کی عظیم الشان خدمت کے فوراً بعد اس پر چڑھائی کر دی تھی۔ وہ اس وقت ہمایوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے تنگ و پریشان کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر شیر خاں دور اندیش اور وسیع ظرف انسان تھا۔ اور جہاں حکمت عملی سے کام نکلتا ہو وہاں طاقت کے استعمال سے گریز کرتا تھا۔ ایسے حالات میں جب دشمن مشکل میں ہو اور نیکی کا بدلہ برائی سے دے چکا ہو۔ ایسے آپ کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے مگر شیر خاں بھی اپنی طاقت کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت تک ہمایوں سے کھلم کھلا ٹکر نہیں لینا چاہتا تھا جب تک اسے اپنے مقصد میں سو فیصد کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا۔

ہمایوں بھی جانتا تھا کہ اب وہ زیادہ دیر چنار گڑھ کے گرد پڑا نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ اس قلعہ کا فرمان شیر خاں کو عطا کرنے پر تیار ہو گیا۔ مگر اس نے شرط یہ عائد کی کہ شیر خاں قطب خاں کی بجائے اپنے دوسرے بیٹے جلال خاں کو جو اس وقت چنار گڑھ کے دفاع کا انچارج تھا۔ اس کے ہمراہ بھیج دے۔ مگر شیر خاں اس پر تیار نہ ہوا۔ ہمایوں کے مقابل کو جس نے کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے ہمراہ بھیج دینا اسے ذبح کرنے کے مترادف تھا۔ اس نے ہمایوں کی خدمت میں لکھا۔ ماں باپ کو سب بچے ایک جیسے عزیز ہوتے ہیں۔ چونکہ یہاں میرے بہت سے مخالف ہیں۔ اس لئے میں جلال خاں کو اپنے سے دور نہیں بھیج سکتا۔ دوسرے قطب خاں شاہی آداب اور رکھ رکھاؤ سے زیادہ واقف ہے اور جلال خاں اکھڑ طبیعت ہے۔ اس لئے قطب خاں ہی شاہی خدمت کے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔

ہمایوں نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر والی گجرات کے عزائم کے باعث اس کے لئے قلعہ چنار گڑھ کا محاصرہ اٹھانا ناگزیر ہو گیا ہے تو اس نے ازراہ ترحم خسروانہ

شیر خاں کے وکیل سے کہا "شیر خاں ہمارا دولت خواہ ہے۔ ہم اس کی عرضداشت قبول کرتے ہیں۔ ہم اسے قلعہ چنار گڑھ عطا کرتے ہیں۔ اسے کہو قطب خاں ہی ہمارے ہمراہ بھیج دے۔"

؎ دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

شیر خاں خوش ہو گیا۔ اس نے قطب خاں کو ہمایوں کے ہمراہ بھیج دیا مگر احتیاط یہ کی کہ اپنے ایک آزمودہ کار سردار عیسیٰ خاں حاجب کو بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ دونوں ہمایوں کے لشکر کے ہمراہ گجرات تک گئے اور سلطان گجرات کے خلاف فوجی مہم میں حصہ لیا۔ اس دوران میں وہ ہمایوں اور اس کے سپاہ کے عادات و اطوار کا قریب سے مطالعہ بھی کرتے رہے۔

شیر خاں نے موقع پا کر پھر اپنے حالات درست کرنے کی طرف توجہ کی پہلے اس نے بہار کو اپنے مخالفوں سے پاک کیا۔ پھر تمام اطراف ہند سے افغانوں کو اپنے اردگرد جمع کرنے کے لئے زبردست مہم شروع کی۔ افغانوں کے قومی جذبہ کو ابھارا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دور دراز سے افغان آ آ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ جو اُنہے ان کی قدر دانی کی۔ بہت سے افغانوں کو جو حوادث زمانہ سے فقیری کی گرد سے آلودہ ہو چکے تھے دوبارہ وہاں سے نکالا اور اپنے پاس جگہ دی۔ سلطان بہادر شاہ والی گجرات کی شکست یابی کے بعد اس کے کئی امرا بھی شیر شاہ کے پاس آ گئے۔ ان بڑے بڑے افغان امرا کی بھی آنکھیں کھلیں جو سلطان محمود لودھی کی گوشہ نشینی کے بعد خود بھی گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور جو آج تک شیر خاں کی ملازمت میں آنا اپنے لئے عار سمجھتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ شیر خاں کا اقبال روز بروز روبہ ترقی ہے اور وہ افغانوں کا قومی ہیرو بن چکا ہے اور اسکے ذریعے سے افغان قوم پنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے تو وہ بھی گوشۂ عافیت سے نکلے اور شیر خاں کے گرد جمع ہو گئے۔

مسند عالی عیسیٰ خاں ______________ اور، اعظم ہمایوں ثانی اور ان جیسے دیگر افغان امرائے کبار اس کی خدمت میں آ گئے جس سے اس کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہوا۔ ساتھ ہی، اس نے نئی بھرتی کھول دی اور ہر اس افغان کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا جو فوجی خدمت سے گریز کرے۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ جب قوموں پر نازک مرحلے آتے ہیں۔ اس وقت ہر فرد کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ باقی سب کام چھوڑ کر پہلے اجتماعی حفاظت کی طرف متوجہ ہو۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ قومی غدار متصور ہوتا ہے اور قوم کے غداروں کی سزا قتل کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس نے اپنی فوجوں کو زبردست تربیت دینی شروع کی اور انھیں ضبط اور جفاکشی کا خوگر بنایا اور ان کے ذہنوں میں بار بار یہ بات واضح کی کہ رائگاں جان دینی کوئی بہادری نہیں۔ بلکہ حماقت ہے۔ ایک ایک افغان کی جان قیمتی ہے۔ اسے ضائع مت کرو لڑائی میں بہادری اور سمجھ دونوں سے کام لو۔"

اس وقت شیر خاں کا وقار نقطۂ عروج پر پہنچ گیا اور اس کے سردار اسے حضرتِ اعلیٰ سے خطاب کرنے لگے۔

ان دنوں ملکِ بنگال پر سلطان محمد قابض تھا۔ مگر اس سے بخوبی انتظام نہ ہو سکا اور ملک میں خلل پڑ گیا۔ شیر خاں نے موقع غنیمت جان کر وہاں قبضہ کرنے کی ٹھانی تاکہ اس ملک کو زیر نگیں لا کر وہاں کے عوام کو بے اطمینانی سے نجات دلائے۔ اور وہاں امن و انصاف کی حکومت قائم کرے اور دوم اس کے ذریعے سے اپنی طاقت میں اضافہ کر کے مغلوں کو ہند سے نکالنے کا مقصد پورا کر سکے مگر اس مہم کو سرانجام دینے کے لئے دولت نہ تھی۔ ان دنوں بی بی فتح ملکہ کے پاس بہت سا خزانہ تھا جو کسی کام نہیں آ رہا تھا۔ یہ بی بی فتح ملکہ میاں محمد عرف کالا پہاڑ کی بیٹی تھی۔ کالا پہاڑ سلطان بہلول لودھی کا بھانجا اور اس کے زمانہ میں صوبہ اودھ کا صاحب خزانہ جاگیردار تھا یہ صاحب تدبیر شخص تھا اور اسے خزانہ جمع کرنے کا شوق تھا۔ سلطان بہلول نے اسے دس پرگنے جاگیر میں دے رکھے تھے۔ تینوں لودھی سلطانوں کے زمانہ میں اس کی جاگیر بحال رہی اور وہ اپنا خزانہ بڑھاتا رہا۔ کہتے ہیں اس کے پاس جواہرات کے علاوہ دو تین سو من سونا بھی جمع ہو گیا تھا۔ اس کی وفات پر اس کی بیٹی بی بی فتح ملکہ اس کی وارث ہوئی۔ اس کا کنیز کے بطن سے ایک بھائی میاں مصطفےٰ تھا مگر وہ وفات پا گیا۔ میاں مصطفےٰ نے ایک بیٹی مہر سلطانہ چھوڑی۔ بی بی فتح ملکہ کا ایک چھوٹا بھائی، بایزید بھی تھا۔ اس نے بایزید اور مہر سلطانہ کی اچھی تربیت کی۔ بایزید قابل نکلا اور اس نے نام پیدا کیا۔ اس کی بابر سے بھی کئی جھڑپیں ہوئیں، بالآخر وہ مارا گیا۔ اس وقت بی بی فتح ملکہ بہار ہی میں تھی۔ اس نے اپنے خزانہ کی حفاظت کے لئے فوج رکھ چھوڑی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کرتی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ ٹھٹھ کے راجہ کے پاس چلی جائے کیونکہ پہلے اس کا سلوک افغانوں کے ساتھ اچھا تھا مگر بعد میں جب سلطان محمود شکست کھا کر گوشہ نشین ہو گیا تو راجہ بھی افغانوں کے خلاف ہو گیا۔ اب بی بی فتح ملکہ مشکل میں پڑ گئی۔ شیر خاں کو معلوم ہوا تو اس نے وکیل کے ذریعے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

اب مہم بنگال کے سلسلہ میں شیر خاں کو روپوں کی ضرورت پڑی تو اس نے اجتماعی مقصد کی خاطر بی بی فتح ملکہ سے سو دو سو من سونا لیا اور اس کے عوض اسے اتنی جاگیر دے دی۔ جس سے اس کا گزارہ بخوبی چل سکے اور وہ کسی کی محتاج نہ رہے شیر خاں کا بیٹا جلال خاں مہر سلطانہ سے نکاح کا خواہاں ہوا۔ مگر بی بی فتح ملکہ نہ مانی اور وہ اسے مجبور نہ کر سکا جلال خاں جیسا کہ اس کے عہدِ حکومت سے ظاہر ہے سخت طبیعت انسان تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ ایک عورت اسکی بات نہ مانے مگر شیر خاں کے ہوتے ہوئے کسی کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی دوسرے پر خواہ وہ کتنا ضعیف کیوں نہ ہو۔ زبردستی کی جرأت نہیں تھی۔

شیر خاں نے اس دولت سے مزید لشکر بھرتی کیا اور آہستہ آہستہ بنگال کے علاقوں پر قبضہ کرنے لگا۔ ہمایوں مہم گجرات سے مظفر و منصور واپس آیا تو دلاور خاں بن دولت خاں لودھی المعروف بہ خانخاناں یوسف خیل نے جو بابر کو یہاں لایا تھا۔ اور افغان ہونے کے باعث شیر خاں کے خطرہ کو خوب سمجھتا تھا۔ اور شاید اس سے حسد بھی رکھتا ہو۔ اس کی خدمت میں عرض کیا کہ شیر خاں عظیم فتنہ ہے۔ وہ تدبیر ملک خوب جانتا ہے اس وقت تمام افغان اس کے گرد جمع ہیں اور وہ آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھا رہا ہے۔ اس سے غفلت درست نہیں اگر اسے اس وقت نہ روکا گیا تو آئندہ وہ بہت خطرناک ثابت ہوگا۔

مگر شیر خاں انتہائی احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔ اس نے ہمایوں سے جو شرائط طے کی تھیں ان کی پوری پابندی کی۔ ملک میں سکہ و خطبہ ہمایوں کے نام کا جاری رہا۔ بظاہر کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس سے ہمایوں کو اس کے خلاف کاروائی کرنے کا جواز ملتا۔ ہمایوں نے خانخاناں یوسف خیل کی بات کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس کا سب سے بڑا سبب اس کی آرام پسندی تھی۔ وہ بہادر ضرور تھا مگر باپ کی طرح جفاکش اور

مستعد نہ تھا بلکہ قدرے کاہل اور آرام طلب تھا۔ ہر کامیابی کے بعد آرام کرنا وہ اپنا حق سمجھتا تھا اور ضرور کچھ وقت عیش و عشرت میں صرف کرتا تھا۔ حالانکہ اس کے حالات پیہم اور مسلسل جدوجہد کے متقاضی تھے۔ اس کے مدِ مقابل شیر خاں آرام سے نا واقف تھا۔ اس کے لئے کام ہی راحت تھی۔ کام ہی اس کا مشغلہ تھا اور کام ہی میں اسے آرام ملتا تھا۔ اس کی تمام زندگی سمٹ کر ایک نقطے پر مرتکز ہو چکی تھی۔ اور وہ تھا مغلوں کو ہند سے نکال کر دوبارہ افغان حکومت قائم کرنا۔ ہمایوں نے کہا "لشکر تھکا ہوا ہے۔ سپاہی زخمی ہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" اگرچہ آرام کی اسے خود ضرورت تھی۔ شیر خاں آخر ایک معمولی سردار ہے۔ قوت بڑھا بھی لے گا تو کونسا پہاڑ ڈھائے گا۔ میں ہندو بیگ کو جونپور بھیج رہا ہوں۔ وہ وہاں جا کر تمام حالات کا جائزہ لے گا پھر جیسے وہ لکھے گا اس کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔"

شیر خاں کو معلوم ہوا تو اس نے ہندو بیگ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف بھیجے اور ساتھ لکھا "میں نے حضرت ہمایوں بادشاہ سے جو شرائط طے کی تھیں۔ ان سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ نہ آپ کے ملک میں دخل دیا ہے۔ آپ ازراہ کرم بادشاہ سلامت کو یقین دلائیں کہ میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوگی جو طے شدہ شرائط کے خلاف ہو۔ اور واقعی شیر خاں کی یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ اس نے کبھی ہمایوں پر پہل نہ کی۔ نہ اس سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ جب بھی پہل ہوئی ہمایوں کی طرف سے ہوئی۔

شیر خاں کے مقابلہ میں ہمایوں ایک جوشیلا نوجوان نظر آتا ہے اور شیر خاں ایک بااصول، پختہ عمر کا مدبر۔ اگرچہ ہمایوں نادان دوست نہ تھا مگر شیر خاں ضرور دانا دشمن تھا۔

ہندو بیگ نے شیر خاں کے تحفہ تحائف سے خوش اور اس کی وفاداری کی یقین دہانی سے مطمئن ہو کر ہمایوں کو لکھ بھیجا کہ "شیر خاں آپ کے دولت خواہوں میں سے ہے۔ اس کے ملک میں آپ کے نام کا سکہ و خطبہ جاری ہے۔ ہمارے ملک کی حدود میں اس نے کبھی دخل اندازی نہیں کی۔ نہ آپ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد اس کی طرف سے کوئی قابلِ اعتراض حرکت واقع ہوئی ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں اس کے خلاف کسی کارروائی کی ضرورت نہیں۔"

یہ رائے ہمایوں کی اپنی رائے کے مطابق تھی اس لئے وہ اور زیادہ مطمئن ہو گیا اور اس نے اس سال شیر خاں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

شیر خاں نے حسنِ تدبیر سے مہلت حاصل کر لی اور اسے بنگال کی تسخیر کے لئے استعمال کیا۔ ان دنوں بنگال کا صدر مقام گور نام کا ایک مشہور شہر تھا جو بنگال اور بہار کی سرحد پر واقع ہونے کے باعث دونوں صوبوں کے لئے بہترین پایۂ تخت ثابت ہو سکتا تھا۔ اس وقت تک تقریباً سو حکمرانوں کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ اتنے عرصہ تک مقامِ حکومت رہنے کے باعث اس کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ شہر دریائے گنگا کے کنارے کنارے میلوں تک پھیلا ہوا تھا اور کم از کم ۱۵ میل لمبی ایک پتھر کی دیوار اسے دریا کی طغیانیوں سے محفوظ رکھتی تھی۔ یہ شاندار شہر جو دولت و عشرت کا مرکز تھا۔ بالآخر اکبر مغل کے عہد میں کسی وبائی مرض کا شکار ہو کر ویران ہو گیا۔

شیر خاں نے اپنے بہادر بیٹے جلال خاں اور اپنے وفادار امیر خواص خاں کو تیس ہزار فوج کے ساتھ بنگال کی طرف روانہ کیا۔ خواص خاں، شیر خاں کے باپ حسن خاں کے وفادار غلام ملک سکھ کا بیٹا اور شیر شاہی دور کے مشہور امیر خواص خاں ولی کا بڑا بھائی تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ملک سکھ، شیر خاں کی طرف سے ملک شادی کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا تھا۔ یہ دونوں بہادر یلغار کرتے ہوئے بنگال پہنچے۔ سلطان محمود مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ گور میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ شیر خانی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور ساتھ ہی تمام بنگال کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔

ہمایوں سے پہلی جنگ

سنہ ۹۴۴ھ بمطابق سنہ ۱۵۳۸ء۔
لشکر گاہ ہمایوں بادشاہ۔
نواح بنارس۔

"امرائے دولت اور سردارانِ فوج ہمیں اس بارہ میں مشورہ دیں کہ آیا ہم پہلے قلعہ چنار گڑھ پر حملہ کریں یا گور دار الخلافہ بنگال کو زیر نگیں رکھیں" ہمایوں بادشاہ نے دریافت کیا۔

جہاں پناہ! چنار گڑھ قریب ہے اور ناقابلِ تسخیر کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اسے فتح کر لیں تو ہماری طاقت اور وقار میں اضافہ ہو جائے گا۔ ہندو بیگ نے عرض کیا "پھر گور کیا، شیر خاں کا سارا علاقہ ہمارے رحم و کرم پر ہوگا۔"

سب سرداروں نے اس رائے کی تائید کی۔

میرے ذہن میں دو تجویزیں آتی ہیں۔ عالم پناہ! خانخاناں یوسف خیل نے نہایت ہوشیاری سے مجلس کی رائے اس تجویز سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ایک نوجوانوں کی تجویز اور دوسری پیروں کی سی۔ نوجوانوں کی تجویز تو یہ ہے کہ پہلے چنار گڑھ پر حملہ کیا جائے اور براہِ راست شیر خاں کا مقابلہ کیا جائے مگر دوسری پیروں کی سی تجویز یہ ہے کہ چنار گڑھ کو فی الحال اس کے حال پر رہنے دیا جائے اور گور دار الخلافہ بنگال پر حملہ کر دیا جائے۔ اس سے گور کا خزانہ شیر خاں کے قبضہ میں جانے کی بجائے ہمارے قبضہ میں آ جائے گا شیر خاں کی پیش قدمی رک جائے گی اور اس کا وقار کم ہو جائے گا۔ اور وہ دونوں طرف سے گھر جائے گا۔ اس کے بعد اسے مطیع کرنا آسان ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ خانخاناں دوسری تجویز کے حق میں تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ہمایوں اس پر عمل کرے۔ اس نے اشارتاً اپنی رائے ظاہر کر دی۔ اس سے زیادہ کھل کر وہ کیا کہتا۔ مگر ہمایوں نہ سمجھا۔

"ہم نوجوان ہیں خانخاناں! اس لئے ہمیں نوجوانوں والی رائے زیادہ پسند ہے اور ہم اسی پر عمل کریں گے۔" شہنشاہ نے آخری فیصلہ دیا۔

مجلس کے اختتام کے بعد خانخاناں اپنے ڈیرہ پر پہنچا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "شیر خاں کا نصیبہ یاور معلوم ہوتا ہے جب تک مغل قلعہ چنار گڑھ فتح کریں گے افغان قلعہ گور پر قابض ہو جائیں گے۔"

فتح گجرات کے بعد دوسرے سال سنہ ۹۴۴ھ میں ہمایوں نے اراکینِ سلطنت کے پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر بالآخر شیر خاں کی جانب کوچ کا ارادہ کیا۔ شیر خاں نے جب سنا کہ مغل لشکر قلعہ چنار گڑھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو وہ اس قلعہ کی حفاظت اپنے بیٹے قطب خاں کے سپرد کر کے خود اپنے اہل و عیال اور باقی ماندہ لشکر کے ساتھ وہاں سے نکل کر کوہستان جہار کھنڈ کی طرف چلا گیا مگر وہ قلعہ اس کے اہل و عیال اور

سپاہ کے لئے ناکافی تھا اور اتنا زیادہ محفوظ بھی نہ تھا۔ پاس ہی رہتاس کا قلعہ تھا جو بقول فرشتہ "در ہندنظیرے ندارد ورودور طول وعرض زیادہ از پنج کروہ بود"۔ یہ قلعہ پہاڑی کے اوپر واقع ہونے کے باعث ناقابلِ تسخیر تھا اور آج تک کبھی کسی نے اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی تھی شیر خاں نے خیال کیا، اگر یہ قلعہ مل جائے تو میرے بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ پھر میں اطمینان سے ہمایوں کے خلاف چھاپا مار جنگ جاری رکھ سکوں گا۔ اس وقت شیر خاں کی فوجی طاقت اتنی نہ تھی کہ وہ ہمایوں سے کھلم کھلا ٹکر لیتا۔ رہتاس راجہ ہرکشن رائے کے پاس تھا جس کا نائب ایک برہمن چورامن نام تھا۔ جو راجہ کا معتمد تھا۔ اور راجہ اس کے مشورہ پر چلتا تھا۔ شیر خاں کے تعلقات دونوں سے اچھے تھے۔ اس سے پہلے ایک موقع پر راجہ ہرکشن اور پنڈت چورامن شیر خاں کے بڑے بھائی نظام خاں کو اس کے لشکر سمیت اپنے قلعہ کے اندر پناہ دے چکے تھے۔ یہ سب کچھ سوچ کر شیر خاں نے چورامن کے پاس ایک وکیل بھیجا، اور اس کے ذریعے سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ چورامن نے راجہ سے ذکر کیا۔ اور کہا "شیر خاں ہمارا پرانا ہمسایہ ہے اور اس سے ہمارے دیرینہ تعلقات ہیں۔ اس وقت وہ مصیبت میں مبتلا ہے اور مدد کا طالب ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس پر احسان کر کے اسے اپنا بنا لیا جائے۔ راجہ راضی ہو گیا۔ مگر جب شیر خاں اپنے اہل و عیال اور لشکر سمیت قلعہ چہار کھنڈ چھوڑ کر وہاں پہنچا تو راجہ مکر گیا۔ شیر خاں سخت پریشان ہوا۔ ایک قلعہ وہ چھوڑ چکا تھا۔ دوسرے میں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ ساتھ ہی ہر لحظہ ہمایوں کے لشکر کا خطرہ لگا ہوا تھا وہ گھبرایا کہ کہیں اسی قلعہ کے سامنے اس کے عمر بھر کے خواب مع اس کے لشکر اور اہل و عیال کے پیوندِ خاک نہ ہو جائیں۔

راجہ بھی حق بجانب تھا وہ کہتا تھا جب میں نے نظام خاں کو یہاں پناہ دی تھی۔ اس وقت اس کا لشکر میرے لشکر سے کم تھا اور میں جب چاہتا اسے قلعہ سے نکال سکتا تھا۔ اس وقت شیر خاں کا لشکر میرے لشکر سے کہیں زیادہ ہے اگر یہ ایک بار قلعہ کے اندر آ گیا تو پھر میں اس کے رحم و کرم پر ہو جاؤں گا۔ اس لیے میں اسے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

شیر خاں نے چورامن کو کہلا بھیجا "میں تمہارے کہنے پر اپنے اہل و عیال اور لشکر کو چہار کھنڈ سے نکال کر یہاں لے آیا ہوں۔ اب اگر ہمایوں کو پتا چل گیا کہ میں کس قدر غیر محفوظ حالت میں ہوں تو وہ ان سب کو قتل کرا دے گا۔ اب جیسے بھی ہو یہ قلعہ، مجھے دلواؤ"۔ اسے چھ من سونا بطور تحفہ بھجوایا۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ "اگر راجہ نے مجھے قلعہ کے اندر نہ آنے دیا تو پھر مجھے مجبوراً ہر قیمت پر ہمایوں سے صلح کرنی پڑے گی اور میں اس سے صلح کر کے سب سے پہلے راجہ سے نپٹوں گا، اور اس کا نام و نشان تک نہیں چھوڑوں گا۔" مزید کہا "قلعہ کے اردگرد کی آبادی اب بھی میرے رحم و کرم پر ہے اگر میرے اپنے اہل و عیال نہ بچے تو پھر میں قلعہ کے اردگرد کی آبادی کو بھی نہ چھوڑوں گا اور اس کا وبال تمہاری گردن پر ہو گا۔"

چورامن نے راجہ سے کہا "اب کہ شیر خاں ہمارے کہنے پر اپنے بال بچوں سمیت یہاں آ گیا ہے۔ اس سے عہد شکنی مناسب نہیں۔ اگر اس کے بال بچے مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے تو اس کا وبال ہماری گردن پر ہو گا۔ علاوہ ازیں اس کے بعد وہ ہمیں بھی نہیں چھوڑے گا۔ اور ہمارا تمام ملک ویران ہو جائے گا۔" مگر راجہ نہ مانا۔ وہ کہتا تھا "میں کیسے اپنے ہاتھوں یہ کام تمام کروں"۔ چورامن علم نجوم میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ اس نے کہا "میں نے حساب لگایا ہے شیر خاں ایک دن سلطان دہلی ہونے والا ہے۔ اس سے بگاڑ اچھا نہیں" مگر راجہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

آخر چورامن نے کہا "اگر آپ اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے تو میں آپ کے سامنے زہر کھا کر جان دے دوں گا۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ میری وجہ سے شیر خاں کے اہل و عیال موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔"

راجہ برہمن کی موت کا پاپ اپنے سر لینے کے خیال سے کانپ اٹھا اور اس نے بادلِ ناخواستہ شیر خاں کو پناہ دینا قبول کر لیا۔

مگر وہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا۔

راجہ نے قلعہ کے اوپر افغانوں کے اہل و عیال کو جگہ دینا قبول کیا تو افغانوں نے چاہا کہ اپنے اہل و عیال کے گرد اپنے پہریدار مقرر کریں تاکہ انھیں تسلی رہے کون اپنے اہل و عیال کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتا ہے؟ مگر راجہ کے سپاہیوں نے وہاں پہرہ دینے پر اصرار کیا۔ اس پر بات بڑھ گئی۔ افغانوں نے راجہ کے آدمیوں کو زبردستی بھگا کر ان کی جگہ اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔ اگر قلعہ پر انتظام راجہ کا رہتا تو شیر خاں اور اس کے آدمی قلعہ کے اندر رہتے ہوئے بھی غیر محفوظ رہتے اور سراسر راجہ کے رحم و کرم پر ہوتے شیر خاں اس وقت ہمایوں کی برتر فوجی طاقت کے ساتھ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کے لئے ایسا خطرہ مول لینا نہ صرف اپنی اور اپنے بال بچوں کی بلکہ ہند میں مقیم تمام افغانوں کی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ بہرکیف اگر شیر خاں کی نیت راجہ کو قلعہ سے نکالنے کی نہ بھی تھی تو حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ راجہ بے چارہ نیکی کر تا کرتا اپنے قلعہ ہی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اس اثنا میں ہمایوں قلعہ چنار گڑھ کا محاصرہ کر چکا تھا۔ شیر خاں کی طرف سے اس کا بیٹا قطب خاں قلعہ کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ وہی قطب خاں تھا جو اس سے پہلے ہمایوں کے اسی قلعہ کا محاصرہ اٹھا کر جانے کے عوض اس کے پاس بطور یرغمال رہا تھا اور اس کے ہمراہ گجرات کی مہم میں حصہ لے چکا تھا۔ قطب خاں کی لشکرِ ہمایوں سے وابستگی اب اس کے کام آئی اور اس نے چھ ماہ تک مغلوں کو خوب ناک چنے چبوائے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا اور ان کی کسی تدبیر کو چلنے نہ دیا۔

جب اتنا عرصہ اسی طرح گزر گیا تو رومی خاں میر آتش ایک چال چلا۔ رومی خاں ترکی غلام تھا۔ جو پہلے سلطان بہادر شاہ والی گجرات کی ملازمت میں تھا اور اب اس کی شکست کے بعد ہمایوں کے پاس آ گیا تھا (بعد میں ہمایوں کی شکست کے بعد اس نے شیر خاں کی ملازمت اختیار کر لی) رومی خاں توپ اندازی کا ماہر اور توپ خانہ کا انچارج تھا۔ اس نے ایک روز اپنے ایک حبشی غلام کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ وہ روتا پیٹتا قلعہ کی جانب چلا گیا۔ قلعہ والوں نے اس کی روداد سنی تو کچھ رحم کھا کر اور کچھ ہمایوں کے لشکر کے راز پوچھنے کی غرض سے اسے اندر لے گئے۔ وہاں اس کا علاج کیا۔ اسے افاقہ ہوا تو ایک روز ان سے کہنے لگا "میں رومی خاں میر آتش کا شاگرد ہوں۔ مجھے اندرون قلعہ لے چلو۔ میں تمہیں وہ مقامات بتاؤں گا جہاں سے ہمایوں کے لشکر کے کمزور مقامات پر آتش باری کر کے اسے چند دنوں میں تباہ کر دیا جائے۔ افغان اس کی باتوں میں آ گئے اور اسے اندر لے جا کر سارا قلعہ دکھایا۔ اس روز وہ قلعہ دیکھتا رہا۔ ان سے کہنے لگا کل میں اپنی مرضی سے توپیں نصب کروں گا۔ مگر رات ہوتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا اور رومی خاں کو قلعہ کے کمزور مقامات کی پوری خبر لا دی۔ رومی خاں نے کشتی پر مورچے بنائے اور انہیں آب رواں پر لے جا کر غنیم کی بتائی ہوئی جگہ پر دیوار کے نیچے لگا دیا اور وہاں سے آتش باری شروع کی۔ قطب خاں نے اپنی توپوں کی مدد

سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر رومی خاں نے قلعہ کی دیوار کا ایک حصہ گرا لیا۔ اب قلعہ والوں کے لئے طلب امن کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ان کو امان دی گئی اور قلعہ چنار گڑھ پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔ معاہدہ امن کے باوجود ہمایوں کے افسروں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تین سو گولہ اندازوں کے ہاتھ کٹوا دئے۔ ہمایوں کو خبر ملی تو ناراض ہوا مگر معمولی تنبیہ کے سوا انہیں کوئی سزا نہ دی۔

شیر خاں کو چنار گڑھ پر ہمایوں کے قبضہ کے ساتھ ہی دوسری افسوس ناک اطلاع یہ ملی کہ اس کا وفادار امیر خواص خاں جس نے جلال خاں کے ساتھ قلعہ گور کا محاصرہ کر رکھا تھا، قلعہ کی خندق میں ڈوب کر جاں بحق ہو گیا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں خبریں حوصلہ شکن تھیں مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ اس نے فوراً خواص خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی صاحب خاں کو خواص خاں کا خطاب دے کر کچھ لشکر کے ساتھ قلعہ گور کی جانب روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ جاتے ہی قلعہ گور پر حملہ آور ہو اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ "چونکہ ہمایوں بادشاہ اب چنار گڑھ کی فتح کے بعد قلعہ گور کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے گور پر قابض ہو جائیں۔" شیر خاں نے کہا۔ خواص خاں آقا کا حکم پاتے ہی ایک ایک دن میں دو دو تین تین منزلیں طے کرتا ہوا وہاں پہنچا اور جاتے ہی قلعہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جلال خاں نے بہترا سمجھایا "آپ تھکے ہوئے آئے ہیں۔ آج آرام کریں، کل حملہ کریں گے" مگر وہ نہ مانا۔ اس کا یک ہی جواب تھا "اعلیٰ حضرت کا حکم تھا کہ جاتے ہی حملہ کرنا۔ میں ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔" یہ کہا اور اسلحہ پہن کر باہر آ گیا۔ جلال خاں کو کہلوا بھیجا "میں اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق اپنے تمام لشکر کے ساتھ قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہوں۔ آپ بھی تشریف لائیے۔ فتح آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" جلال خاں خود بہادر آدمی تھا مگر اسے خواص خاں کی یہ جلد بازی پسند نہ آئی۔ مجبوراً وہ بھی نکلا۔ مگر خواص خاں اس کے نکلنے سے پہلے ہی قلعہ پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ خواص خاں نے اس قدر بے جگری اور دلیری سے حملہ کیا کہ جلال خاں کے پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ گور فتح ہو گیا۔ اس روز سے خواص خاں کی شجاعت اور وفاداری زبان زد عام ہوئی۔ اور اس کے اقبال کا ستارہ طلوع ہوا۔ یہ ستارہ عہد شیر شاہی میں انتہائی عروج پر پہنچا اور وہ چوٹی کے امرا میں شمار ہونے لگا۔ یہ امیر اس قدر مقبول، ہر دلعزیز اور نیک تھا کہ عوام اسے خواص خاں ولی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ شجاعت، سخاوت، مروّت اور وفا میں لاثانی تھا۔ جلال خاں نے اپنے عہد حکومت میں محض حسد اور خوف کی بنا پر اسے مروا دیا۔ اس کا مدفن اب تک دلی میں خواص خاں ولی کے مزار کے نام سے مشہور ہے۔

جلال خاں نے باپ کی طرف خواص خاں کے نام سے فتح نامہ لکھا۔ شیر خاں کو خبر ملی تو بہت مسرور ہوا۔

قلعہ چنار گڑھ پر قبضہ ہو جانے کے بعد ہمایوں گور پر قبضہ کے ارادہ سے بنگال کی جانب بڑھا۔ جب دریائے سون کے کنارے پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ گور، جلال خاں پسر شیر خاں کے قبضہ میں آ چکا ہے اور سلطان محمد مجروح ہو کر فرار ہو چکا ہے۔ اب ہمایوں کو آگے بڑھنے میں کچھ تردد ہوا۔ اس نے اپنے ایک سردار حسین ترکمانی کے ذریعے سے شیر خاں کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ ولایت بنگال و بہار خالی کر دے تو اسے قلعہ چنار گڑھ واپس کر دیا جائے گا اور جونپور کی جاگیر عطا کی جائے گی۔

"شیر خاں بہار خالی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر بنگال کے متعلق اس نے کہا کہ وہ اس کے پاس رہنا چاہیئے کیونکہ اس کے پاس جو امرا اور لشکر ہے۔ ان کا گزارہ صرف جونپور کی جاگیر پر نہیں ہو سکتا۔"

ہمایوں راضی ہو گیا اور اس نے بطور اظہار خوشنودی شیر خاں کو اسپ و خلعت بھجوایا اس سے اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ وہ شیر خاں کو خود مختار حکمران نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ایک ماتحت امیر تصور کرتا ہے مگر ابھی اس معاہدہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہونے پائی تھی کہ سلطان محمود سابق والی بنگال کا وکیل ہمایوں کی خدمت میں پہنچ گیا اور اس نے اپنے آقا کی طرف سے عرض کیا کہ اگرچہ گور پر جلال خاں قابض ہو چکا ہے۔ مگر ابھی تمام ملک بنگال خالی پڑا ہے۔ اگر بادشاہ حضور خود وہاں تشریف لے جائیں تو وہ بنگال کو آسانی سے فتح کر سکتے ہیں۔" اس نے سلطان محمود کی طرف سے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ شیر خاں کے لشکر کو بنگال سے نکالنے میں شاہی افواج کا مددگار ہوگا۔ اور اس کے بعد بادشاہ کی ملازمت اختیار کرے گا۔

ہمایوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے فوراً بنگال پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ امرا نے دبی زبان سے بارشوں کے موسم میں یہ مہم اختیار کرنے کی نامناسبت پر توجہ مبذول کرائی مگر بادشاہ اپنے فیصلہ پر قائم رہا۔ اس نے خانخاناں یوسف خیل اور دیگر امرا کو بطور ہراول آگے جانے کے لئے کہا۔ میرزا ہندال کو آگرہ کی جانب بھیجا کہ وہ ادھر کا خیال رکھے اور وہاں کوئی بغاوت نہ ہونے دے اور خود کوہستان جھارکھنڈ کی جانب بڑھا جہاں شیر خاں کا لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ شیر خاں نے ہمایوں کے اقدامات کے متعلق سنا تو اس کے وکیل کو بلا کر کہا "میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے۔ ہمایوں بادشاہ کا ادب و لحاظ رکھا ہے اور اس کی خدمت کی ہے۔ اس کے ملک میں کبھی دخل اندازی نہیں کی۔ ملک بہار میں نے لوحانیوں سے حاصل کیا تھا۔ شاہ بنگال نے بہار پر قبضہ کرنا چاہا تو میں نے اسے بھی پہلے نرمی سے اس کے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور اسے کہا تھا کہ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے مجھے تنگ نہ کرے مگر اسے اپنی سپاہ و سامان جنگ پر ناز تھا۔ وہ باز نہ آیا چونکہ زیادتی اس کی طرف سے تھی اس لئے حق تعالیٰ نے مجھے اس پر فتح دی۔ اس نے بہار کا لالچ کیا تو بنگال بھی کھو بیٹھا۔ اب ہمایوں بادشاہ نے اس کی باتوں میں آ کر بنگال پر حملہ کرنے کا قصد کیا ہے اور میری تمام خدمات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

جب اس نے چنار گڑھ کا محاصرہ کیا تھا میں اس وقت جنگ کو ٹال گیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا: ہمایوں بڑا بادشاہ ہے۔ ایک قلعہ کی خاطر اس سے جنگ چھیڑنا مناسب نہیں۔ مگر حالات اس قسم کے ہیں کہ اگر ہمایوں نے بنگال کی طرف پیشقدمی کی تو میرے لئے افغانوں کو جنگ سے باز رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔

"اب افغانوں میں باہمی عداوت اور پھوٹ نہیں۔ وہ بالکل متحد ہیں۔ اس وقت افغانوں سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ اگر ہمایوں بادشاہ بنگال کی طرف جانے پر بضد ہوگا تو اسے وہاں سے ندامت و پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بنگال کے لالچ میں سارا ہند گنوا بیٹھے۔"

یہ کہہ کر وکیل کو خلعت اور تحفے تحائف دیئے اور اسے رخصت کر دیا۔ آج کل کی زبان میں ہمایوں سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے۔ تاکہ ہمایوں کا وکیل اس کی حرکات و سکنات اور ارادات سے واقف رہ کر وہاں کی اطلاعات اپنے آقا کو

نہ پہنچا تا ہے۔

شیر خاں نے اپنی بہت سی فوج کو قلعہ رہتاس میں منتقل کر دیا اور خود خفیہ طور پر چار پانچ سو سواروں کے ساتھ گور کی جانب جانے کے لئے روانہ ہوا۔ ہمایوں نے اپنے جن سرداروں کو اس کا پتا لگانے کیلئے بھیجا وہ ناکام واپس آئے۔ ہمایوں نے بھی اپنی سپاہ کے ساتھ گور کی جانب کوچ کیا۔

ہمایوں کی ہراول فوج کا سردار خانخاناں یوسف خیل شیخ یحییٰ کے پرگنہ میں پہنچ کر قلعہ مونگیر میں فروکش ہوا۔ وہاں اسے خبر ملی کہ سلطان محمود والی بنگال آ رہا ہے۔ امرا اس کے استقبال کو گئے۔ ابھی وہ واپس پہنچے تھے کہ انہیں ہمایوں کے وہاں پہنچنے کی خبر ملی۔ وہ سلطان محمود کو ساتھ لئے اسی طرح ہمایوں کی خدمت میں پہنچ گئے مگر ہمایوں سلطان محمود کے ساتھ اتنی عزت سے پیش نہ آیا جتنی کہ وہ بطور خود مختار فرمانروا کے توقع رکھتا تھا۔ اس سے وہ سخت بے دل اور پشیمان ہوا اور بالآخر یہ غم اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اس کا بیٹا مؤید بیگ البتہ ہمایوں کی ملازمت میں رہا۔ ہمایوں نے کچھ عرصہ قیام کیا۔ پھر مؤید بیگ کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ آگے روانہ کیا۔

جب شیر خاں کو معلوم ہوا کہ ہمایوں کا لشکر گور کی جانب بڑھ رہا ہے تو وہ بھی اپنے جائے پناہ سے نکل کر اسی راستے گور کی طرف چل دیا تاکہ ہمایوں سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ اس نے اپنی زیادہ فوج کو جو رہتاس میں محفوظ تھی۔ وہیں رہنے دیا بلکہ اپنے چھوٹے موٹے سرداروں کو بھی احکام بھیج دیئے کہ وہ اپنے بال بچوں سمیت رہتاس پہنچ جائیں۔ ہمایوں کا لشکر بڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ منزل بہ منزل جا رہا تھا۔ شیر خاں کے ساتھ تھوڑے سپاہی تھے۔ وہ ایک ایک دن میں دو دو تین تین منزلیں طے کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ ایک روز مؤید بیگ کے سپاہی دوپہر کے وقت کسی گاؤں میں اترے تو وہاں ایک باغ میں انہیں چند سوار نظر آئے۔ گاؤں والوں سے پوچھا تو معلوم ہوا شیر خاں ہے۔ سپاہی سراسیمہ ہو کر مؤید بیگ کے پاس دوڑے آئے۔ مؤید بیگ نے یہ خبر ہمایوں کو پہنچا دی۔ ہمایوں نے حکم دیا اچھی طرح تحقیقات کی جائے کہ شیر خاں کے ساتھ کتنی فوج ہے اور آیا وہ لڑائی کا ارادہ رکھتا ہے؟ تحقیقات کی گئی تو گاؤں کے مقدم نے بتایا شیر خاں تھا اور اس کے ساتھ چند سوار تھے۔ مغلوں کو دیکھا تو جلدی سے نکل گئے۔ اتنے میں سورج غروب ہو چکا تھا۔ مغلوں نے رات کے وقت اس کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ہمایوں سے پہلی جنگ

"تم کہاں سیف خاں؟" شیر خاں نے پوچھا۔

"اعلیٰ حضرت!" سیف خاں کے منہ سے نکلا۔

"آپ چند سواروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟"

"میں ہمایوں سے پہلے گور پہنچنا چاہتا ہوں" شیر خاں نے بتایا۔ "ہمایوں کا لشکر ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے اور انہیں ہمارے متعلق اطلاع مل چکی ہے یہ باتوں کا وقت نہیں تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں اعلیٰ حضرت کے حکم کے بموجب اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر قلعہ رہتاس کی طرف جا رہا تھا۔" سیف نے بتایا۔

"تم اس وقت اس راستہ سے نہیں جا سکتے پیچھے لشکر آ رہا ہے۔ اب تم واپس ہمارے ساتھ چلو۔" شیر خاں نے کہا۔

"حضرت اعلیٰ کی جان خطرہ میں ہے۔ آپ میرے اہل و عیال کو ساتھ لے جائیں۔ میں اپنے تین صد شیروانی بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ گڑھی سے راستہ پر مغل لشکر کو روکتا ہوں۔" سیف نے کہا۔

"تم بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ میرے ہمراہ رہو۔ جیسے قدرت ہوں گے نپٹ لیں گے۔ شاید ہم بچ کر نکل جائیں اگر مقابلہ ہو گیا تو مقابلہ کریں گے۔ تم اپنی جان کیوں خطرہ میں ڈالتے ہو؟" شیر خاں نے کہا۔

مگر سیف خاں نہ مانا۔

"فرد کو قبیلہ پر نثار کیا جا سکتا ہے" وہ بولا "اور قبیلہ کو قوم پر اور قوم کو اس شخصیت پر جس سے سارے قبیلہ اور قوم کی عزت وابستہ ہو۔ اعلیٰ حضرت اس وقت افغان قوم کے سردار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے دم قدم سے ہی منتشر شیرازہ اکٹھا ہو رہا ہے اعلیٰ حضرت کی سلامتی سے ہی افغان قوم کی سلامتی ہے۔ ہم سپاہی لوگ ہیں۔ ہمارا کام جان دینا ہے۔ ہمارے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ ہماری جانیں اعلیٰ حضرت کے کام آئیں۔ ہماری اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے؟"

شیر خاں اس کے اہل و عیال کو لے کر آگے بڑھ گیا اور وہ وفا کا پتلا واپس جا کر گڑھی کے دروازے پر ڈٹ گیا۔

سیف خاں، شیر خاں کی طرف سے گڑھی کا حاکم تھا۔ گڑھی ایک مشہور مقام تھا۔ اور گور کو جانے والا راستہ یہیں سے ہو کر گزرتا تھا۔ سیف خاں اور اس کے تین صد شیروانی ساتھیوں نے وہ رات واپس گڑھی آ کر بسر کی۔ علی الصباح اس نے اپنے بھائیوں سے کہا، نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ آج ہمارا آخری دن ہے۔ دل میں کسی وسوسہ کو دل میں جگہ نہ دو۔ موت کا آنا لازم ہے۔ کسی فرد بشر کو اس سے مفر نہیں سپاہی کے لئے بہترین موت یہی ہے کہ وہ اپنے آقا کی حمایت میں جان نثار کر دے۔ ورنہ جہان فانی میں نیک نامی اور اگلے جہان کی سعادت حاصل کرے اور اپنے بچوں کے لئے نیک نام اور بلند کام چھوڑ جائے۔"

"اب باتوں کا وقت نہیں" اس کے بھائیوں نے کہا "آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس سے ہم بدل و جان متفق ہیں اور جو کچھ ہم کریں گے وہ آپ ابھی دیکھ لیں گے۔"

اتنے میں ہمایوں کا ہراول لشکر گڑھی کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ مغل سمندر کی موجوں کی طرح بار بار آگے بڑھتے مگر افغان چٹان کی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہے۔ موجیں چٹان سے ٹکراتیں اور واپس ہو جاتیں۔ تیس ہزار سے تین سو کا مقابلہ تھا۔ افغانوں نے اس معرکہ میں مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ انسانی ذہن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ صبح سے ظہر تک لڑتے رہے۔ کئی مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ خود سیف خاں تین مرتبہ زخمی ہوا اور زندہ گرفتار ہوا۔ مگر گڑھی انہوں نے مغلوں کے ہاتھ نہ پڑنے دی۔

سیف خاں کو مؤید بیگ کے پاس لے گئے۔ اس نے اسے پیچھے ہمایوں کی خدمت میں بھیج دیا۔ ہمایوں نے اس کی شجاعت اور وفا کی داد دی۔ اور کہا سپاہی کا یہی فرض ہے جو تو نے بجا لایا۔ اب تجھے اجازت ہے جہاں چاہے چلا جائے۔ سیف خاں نے عرض کیا میرے بال بچے شیر خاں کے پاس ہیں۔ مجھے بھی وہیں جانے کی اجازت مرحمت ہو۔ ہمایوں سمجھ گیا یہ شیر خاں کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کہا "ہم تمہاری جان بخشی کرتے ہیں۔"

جدھر بھی چاہے چلے جائیں۔" سیف خان، شیر خان کے پاس چلا گیا۔

شیر خان دو راتوں میں گوڑ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے ہوشیاری کے ساتھ اپنے بیٹے جلال خان کو کئی بہادر سرداروں اور دس ہزار سواروں کے ساتھ گڑھی کی جانب روانہ کیا۔ ہمایوں کا لشکر ابھی گڑھی نہیں پہنچا تھا کہ جلال خان وہاں پہنچ کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ وہاں پہنچا تو جلال خان نے باہر نکل کر اس پر حملہ آور ہونا چاہا۔ مگر اس کے سرداروں نے اسے یاد دلایا کہ اعلیٰ حضرت کا فرمان یہ ہے کہ مغل لشکر کو وہاں روکا جائے تاکہ انہیں گوڑ کا خزانہ رہتاس منتقل کرنے کا موقع مل جائے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ حکم نہیں کہ مغلوں سے کھلے میدان میں جنگ کی جائے۔"

جلال خان کچھ دیر اس مشورہ پر کاربند رہا۔ مغل ہر روز چھوٹے موٹے حملے کرتے مگر منہ کی کھاتے۔ ان ہزیمتوں سے تنگ آکر وہ گالی گلوچ اور طعن و تشنیع پر اتر آئے۔ ایک روز جلال خان نے کہیں ان کی باتیں سن لیں۔ جوشیلا اور دلیر تو تھا ہی۔ اس کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ سرداروں کو بلا کر کہا "ہم مغلوں کے طعنے نہیں سن سکتے۔ کل کھلے میدان میں مقابلہ ہوگا تیار رہو۔" امرا نے بہتیرا سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ اگلے روز مغل حسب عادت حملہ کر کے واپس مڑے اور خیمہ گاہ میں جا کر اپنے ہتھیار کھول کر آرام کرنے لگے تو دفعتاً افغان گڑھی سے نکلے اور ان پر بڑے زور سے حملہ آور ہوئے کہ مغل سپاہی حواس باختہ ہو گئے بقول عباس خان "افغانی تلواروں نے خون کے دریا بہا دیئے جن میں ہر طرف مغلوں کی نعشیں تیرتی دکھائی دیتی تھیں۔"

ہمایوں کا مقدمۃ الجیش جو بیرم خان کی سرکردگی میں تھا بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ کئی بڑے بڑے مغل سردار کام آئے بے شمار جنگی سامان اور ہاتھیوں کے علاوہ بارہ ہزار گھوڑے افغانوں کے ہاتھ لگے۔ جلال خان مسفر و منصور گڑھی میں لوٹ گیا۔

اس رات اس کثرت سے بارش ہوئی کہ تمام راستے مسدود ہو گئے اور ہمایوں کو پورا ایک ماہ وہاں رکنا پڑا۔ شیر خان نے اس خداداد موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس دوران میں غنیمت کے بار برداری کے جانوروں کو استعمال میں لا کر قلعہ گوڑ کا تمام خزانہ براستہ جھارکھنڈ قلعہ رہتاس میں منتقل کر لیا۔ یہ کام سرانجام پا گیا تو جلال خان کو لکھا کہ وہ بھی گڑھی چھوڑ کر رہتاس چلا جائے شیر خان خود بھی گوڑ خالی کر گیا مگر جانے سے پیشتر وہاں کے محلات کو ہمایوں کے ذوق کے مطابق ہر قسم کے سامان عیش و عشرت سے مزین کر گیا۔ یہ ۹۴۵ھ کا واقعہ ہے۔

ہمایوں نے جب سنا کہ شیر خان گوڑ خالی کر کے چلا گیا ہے اور جلال خان بھی گڑھی چھوڑ گیا ہے تو فتح بنگال کی خوشی میں یلغار کرتا ہوا آگے بڑھا اور وہاں جا کر قابض ہو گیا۔ بے چارہ کئی ماہ کی صعوبتوں سے تھکا ہوا تو تھا ہی۔ وہاں کے محلات کو اپنی مرضی کے مطابق پایا تو گوڑ کا نام جنت آباد رکھ کے خوب عیش و عشرت کے پاؤں پھیلائے اور نو ماہ تک گوڑ کو جنت سمجھ کر اس میں لیٹا رہا۔ سلطنت کے کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ نہ کوئی دربار عام کیا اور نہ سیاسی اور جنگی امور پر اپنے امرا سے تبادلہ خیالات کیا۔ بزعم خود فتح بنگال کا جشن مسرت منانے بیٹھ گیا۔ اور یہ نہ سمجھ سکا کہ شیر خان کے دام ہمرنگ زمیں میں پھنسا ہوا ہے۔ شیر خان کی مردم شناسی اور جزئیات رسی کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے ہمایوں کو کیا خوب سمجھا اور کس طرح بغیر لڑے اپنی طاقت اور خزانہ بچا کر لے گیا۔

شیر خان نے ہمایوں کو زندہ در گور پایا تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جانب فتوحات کی طرف متوجہ ہوا۔ خود بنارس کا محاصرہ کیا اور مونگیر کی طرف خواص خان کو بھیجا۔ احتیاطاً پانچ ہزار سوار جلال خان بن جلو سودہی کی سرکردگی میں اطراف گوڑ میں بھیج دیئے تاکہ وہ ہمایوں کو اپنی طرف متوجہ رکھیں اور اگر وہ بنارس وغیرہ کی طرف کوئی امدادی فوج بھیجے تو اس کا راستہ روک لیں۔ جلال خان جلو نے وہاں پہنچ کر ہمایوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور اس کی رسد روک دی۔ ہمایوں نے یعقوب خان اور بیرم خان کی سرکردگی میں جو امدادی فوج بھیجی۔ جلال خان نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔

خواص خان اس قدر تیزی سے مونگیر پر حملہ آور ہوا کہ وہاں کا حاکم خانخاناں یوسف خیل سنبھل ہی نہ سکا۔ ادھر اس کے جاسوسوں نے خواص خان کے ارادوں کی اطلاع دی اور ادھر خواص خان شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ خواص خان جدھر رخ کرتا فتح اس کے قدم چومنے کے لیے بے تاب کھڑی ہوتی۔ مونگیر فتح ہوا اور خود خانخاناں یوسف خیل گرفتار ہو گیا۔ خواص خان نے اسے گرفتار کر کے بنارس کا رخ کیا۔ خواص خان کے پہنچتے ہی بنارس بھی فتح ہو گیا اور بنارس کے اندر جو مغل لشکر تھا وہ تہ تیغ ہوا۔ بعد میں ہمایوں سے یہ جنگ جیت لینے کے بعد مسند عالی عیسیٰ خان کے مشورہ پر خانخاناں یوسف خیل کو اس کی افغان دشمنی اور مغل دوستی کے جرموں کے عوض مروا دیا گیا۔

اب شیر خان نے ہیبت خان نیازی، جلال خان جلو اور سرمست خان وغیرہ امرا کو اودھ لکھنؤ اور بھڑائچ کی جانب بھیجا۔ وہ ان شہروں کے علاوہ مانکپور کڑہ، جونپور اور سنبھل تک کے علاقوں پر قابض ہو گئے اور مغلوں کو مار مار کر ان سب جگہوں سے باہر نکال دیا۔ ہر طرف شیر خانی حکومت کا سکہ بیٹھ گیا اور یہاں سے فصل ربیع اور خریف کا مالیہ شیر خان ہی کے آدمیوں نے وصول کیا۔ اس کے بعد شیر خان ولایت بہار کی جانب متوجہ ہوا اور وہاں دوبارہ قابض ہو گیا۔

ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لینے کے بعد شیر خان نے اپنی تمام فوج قلعہ رہتاس میں اکٹھی کرنی شروع کی۔ اس وقت اس کے پاس ستر ہزار سپاہی اور پانچ صد ہاتھی تھے جب ہمایوں کے بھائی میرزا ہندال نے جسے اس نے بنگال جانے سے پہلے اس لیے آگرہ بھیجا تھا کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں وہاں بغاوت نہ ہونے دے۔ ہمایوں کی ناکامیوں کا حال سنا تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ ہمایوں نے شیخ بہلول کو اسے سمجھانے کے لیے بھیجا مگر اس نے الٹا شیخ کو قتل کرا دیا اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کے بعد شیخ بہلول لودھی حاکم آگرہ کو بھی، جو ہمایوں کا وفادار رفیق تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمایوں کو شیخ بہلول سے ان کے علم اور تقوے کے باعث بہت عقیدت تھی۔ اس لئے اسے سخت صدمہ ہوا۔ میرزا کامران تک دارالخلافہ میں گڑبڑ کے حالات پہنچے تو اس نے بھی لاہور چھوڑ کر آگرہ کا رخ کیا۔

اب ہمایوں گوڑ جنت آباد کے عشرت کدہ سے نکلا تاکہ آگرہ پہنچ کر حالات پر قابو پائے۔ ادھر شیر خان نے اس کے راستہ روکنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لئے قلعہ رہتاس کے اندر، جہاں وہ اپنی پوری فوج کو مجتمع کر چکا تھا۔ اپنے سرداروں کی مجلس مشاورت طلب کی۔

"ہمایوں اپنے لشکر سمیت ہمارے پاس سے گزر رہا ہے۔ آگرہ میں اس کے بھائیوں نے فتور مچا رکھا ہے۔ اس کا لشکر بھی اتنی اچھی حالت میں نہیں۔ ورنہ شاید وہ ہمیں یوں نظر انداز نہ کرتا۔ موقع ملنے پر وہ ضرور ہم سے دو دو ہاتھ کرے گا کیوں نہ ہم اس وقت اسے مقابلہ پر مجبور کریں۔ اس وقت حالات اس کے خلاف اور ہمارے حق میں ہیں۔" اس نے مختصر جملہ حالات مجلس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

اعظم ہمایوں ہیبت خان نیازی شروانی نے جو سلطان سکندر لودھی کے امرائے کبار سے تھا، بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ سلطان بہلول اور سلطان سکندر لودھی کے

امرا اور امرازادگان سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ آیا وہ مغلوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ ہمارے ملک اور ہماری آبائی جاگیروں پر اس وقت مغل قابض ہیں اور ہم در بدر دھکے کھاتے پھرتے ہیں تو ہم اس موقع کی تلاش میں ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ اس وقت تمام افغان آپ کے جھنڈے تلے جمع ہیں اور ان کا آپس کا نفاق اور عداوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ اپنے امرا سے دریافت فرمائیں ان کی کیا مرضی ہے۔ ہم تو اس مقصد کے لئے جی رہے ہیں۔ اور اس دن کے انتظار میں گن گن کر گھڑیاں گزار رہے ہیں جب ہم مغلوں سے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کریں گے۔"

مسندِ عالی عمر خاں اور مسندِ عالی عیسیٰ خاں نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔

اب شیر خاں اپنے امرا کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور عرض کیا "ایسے مواقع روز روز نہیں ملتے۔ انہیں گنوانا نہیں چاہیئے" اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

اس وقت ہمایوں دریائے گنگا کے کنارے مکسر کے بالمقابل چونسہ کے مقام پر فروکش تھا۔ بارشوں کا زمانہ تھا۔ ہمایوں نے اپنی سہل نگاری سے کام لیتے ہوئے دو ماہ کا عرصہ دریا پر پل باندھنے میں صرف کر دیا۔ اس کی فوج پر موسم اور آگرہ کے حالات کے باعث سستی اور بے دلی چھائی ہوئی تھی۔

شیر خاں بھی اپنی فوج لے کر قلعہ رہتاس سے نکلا اور ہر مقام پر قلعہ خام بناتا اور پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھنے لگا۔ بقول احمد یادگار مولف "تاریخ افاغنہ" اس نے جگہ جگہ اپنے آدمی تعین کر کے مغلوں کے لشکر کو غلہ کی بہم رسانی روک دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل لشکر میں غلہ کی گرانی حد سے بڑھ گئی۔ ہمایوں نے اپنے ایک امیر یعقوب بیگ کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا کہ وہ کہیں سے غلہ کا انتظام کرے وہ تیس کروہ تک جا کر غلہ سے لدے ہوئے چار ہزار بیل لے کر اپنے لشکر کی جانب مڑا شیر خاں کو اطلاع ملی تو اس نے ولی داد خاں کو ایک ہزار سوار دے کر بھیجا کہ وہ اس غلہ کو مغل لشکر تک نہ پہنچنے دے۔ ولی داد خاں، یعقوب خاں کو شکست دے کر تمام غلہ افغان لشکر میں لے آیا۔ شیر خاں نے اس فتح کو اپنی فتح کا مقدمہ سمجھا۔ بہت خوش ہوا اور ولی داد کو انعام و اکرام سے نوازا۔

ہمایوں نے دوبارہ شیخ بایزید کو غلہ کی بہم رسانی کے لئے مامور کیا۔ وہ کوشش کر کے بہت سا غلہ لے آیا۔ ہمایوں خوش ہوا اور اسے فتح جنگ خاں کا خطاب دیا۔

دو ڈھائی مہینے دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے اور ان میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اس اثنا میں بارش کثرت سے شروع ہو گئی جس سے کمک اور رسد رسانی کے راستے مسدود ہو گئے اور دونوں لشکروں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ شیر خاں کے خام قلعہ کا ایک حصہ پانی میں ڈوب گیا اور اسے اپنی فوج کو دو تین کوس پیچھے ایک بلند مقام پر لے جانا پڑا۔ اس افراتفری میں اسے اپنے توپخانہ کا کچھ حصہ بھی وہیں چھوڑنا پڑا۔

معلوم ہوتا ہے ہمایوں کا لشکر اتنا کمزور اور بے دل نہ تھا۔ جتنا ظاہر کیا جاتا ہے ورنہ شیر خاں ضرور اس پر حملہ آور ہو کر اسے قطعی شکست دینے کی کوشش کرتا۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ عباس خاں شروانی، احمد یادگار اور نعمت اللہ ہروی، جنہوں نے شیر شاہ کے حالات لکھے ہیں۔ خود افغان تھے مگر وہ بالترتیب ہمایوں، اکبر اور جہانگیر سے متعلق ہونے کے باعث ہمایوں کی کمزوریوں اور ناکامیوں کو چھپانے پر مجبور تھے۔ ان کا کام سخت مشکل تھا۔ ایک طرف وہ دل سے شیر شاہ کے قدردان تھے۔ مگر دوسری طرف ہمایوں یا اس کی اولاد کی ملازمت میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں واقعات سے ہمایوں کی کمزوری یا ناکامی ثابت ہوتی ہے وہ اسے چھپا جاتے ہیں یا اس کے لئے جواز ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر کیف بارش کی کثرت کے باعث دونوں لشکروں میں لڑائی کا وہ جوش و خروش باقی نہ رہا۔ شیر خاں نے حسب معمول حالات کو اپنے حق میں استعمال کرنا چاہا۔ اور ہمایوں کو ایک عجب العرض لکھی جس میں اپنا پرانا مطالبہ دہرایا کہ مجھے ولایتِ بنگالہ کا فرمان عطا ہو جائے۔ وہاں سکہ و خطبہ آپ کے نام کا رہے گا۔

ہمایوں نے شیر خاں کی اس عرضداشت کو غنیمت جانا اور ایک بار پھر اس کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہو گیا جسے پہلے تسلیم کر کے اس کی خلاف ورزی کر چکا تھا اور مزید شرائط طے کرنے کے لئے شیخ خلیل فرزند قطب عالم شیخ فرید گنج شکر کو بطور وکیل شیر خاں کے پاس بھیجا۔ ہمایوں کی بڑی شرط یہ تھی کہ شیر خاں کے لشکر لے کر اس کے سامنے آ جانے سے بادشاہ ہند کی توہین ہوئی ہے۔ اب اس کا وقار اس طرح بحال ہو سکتا ہے کہ شیر خاں رہتاس کی جانب پیچھے ہٹ جائے اور تھوڑی دور تک شاہی لشکر اس کا پیچھا کرے۔ اس کے بعد شیر خاں کو بنگال کا فرمان عطا کر دیا جائے گا اور شاہی لشکر واپس مڑ آئے گا۔ شاید ہمایوں کا خیال ہو کہ اس تماشا سے اس کے باغی بھائیوں اور باقی امرا پر اچھا اثر پڑے گا۔

شیر خاں نے حسب عادت شیخ خلیل کی بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کی مہمانداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ شیخ نے برسرِ عام اپنے ہمراہیوں اور شیر خاں کے امرا کے سامنے شیر خاں کو صلح کے حق میں بہت پند و مواعظ کئے مگر باتوں باتوں میں ان کے منہ سے نکل گیا "اگر صلح نہیں کر سکتے تو اٹھو اور جنگ کرو اور بزن بول دو"۔ شیر خاں پا گیا کہ ہمایوں نیک نیتی سے سمجھوتا نہیں کر رہا۔ اس نے اس وقت تو سنی ان سنی کر دی اور جواباً صرف اتنا کہا "اپنے بادشاہ سے کہہ دیجئے وہ جنگ چاہتا ہے مگر اس کا لشکر جنگ کا خواہاں نہیں۔ میں صلح چاہتا ہوں مگر میری فوج جنگ کے لئے بے تاب ہے" مگر اس کے دل میں شیخ کا وہ فقرہ جاگزیں ہو گیا۔ بعد میں شیخ کو دوبارہ خلوت میں طلب کر کے اسے کریدنا شروع کیا۔ کہا "ہم افغان آپ کے والد محترم کے خاص عقیدت مند ہیں اس لئے ہمارا آپ پر حق ہے۔ ایسے بھی حکما کا قول ہے کہ خردمندوں اور دور اندیشوں سے مشورہ کرنا چاہیئے اور آپ ان اوصاف سے متصف ہیں آپ ہمایوں کے وکیل کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہمارے بزرگ ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس بارہ میں مشورہ دیں کہ ہمارے لئے اس وقت صلح بہتر ہے یا جنگ"۔

شیخ سوچ میں پڑ گئے۔ آخر سر اٹھایا اور کہا آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ایک طرف بطور وکیل ہمایوں اس کی خیر خواہی میرا فرض ہے اور دوسری طرف بموجب فرمان جناب رسول پاکؐ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے اور اگر وہ غلط مشورہ دیتا ہے تو امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ بہر کیف میری وفاداری جناب رسالتمآبؐ سے اولیٰ ہے۔ میرا صحیح مشورہ یہ ہے کہ آپ کے لئے اس وقت جنگ کرنا بہتر ہے۔ ہمایوں ضرورتاً آپ سے صلح کر رہا ہے۔ دل سے اس پر راضی نہیں۔ بالآخر وہ اس پر قائم نہیں رہے گا اور آپ پر مزید قوت سے حملہ آور ہو گا۔ اس لئے آپ موجودہ موقع کو ہاتھ سے نہ گنوائیں"۔

شیخ سے اصل بات معلوم کر لینے کے بعد شیر خاں سنبھل گیا۔ ہمایوں سے پہلے دو بار ڈسا تو جا ہی چکا تھا۔ اب اس نے تیسری بار اسی بل سے ڈسا جانا قبول نہ کیا۔ اور دل میں جنگ کا پکا ارادہ کر لیا مگر ظاہر یہ کیا کہ اسے ہمایوں کی شرط منظور ہے اور وہ رہتاس کی جانب پیچھے ہٹ جائے گا:

اگلے روز اس نے ہمایوں کو غافل کرنے کے لئے اپنا کچھ لشکر رہتاس کی جانب بھیج دیا جو رات کو پھر وہیں واپس آ گیا۔ اس سے اگلے روز بھی یہی ہوا۔ تقریباً چار سو برس بعد ایک موقع پر اتاترک نے بھی اپنے مخالفوں کے خلاف یہی تدبیر جنگ کامیابی سے استعمال کی۔ مغل کو یقین ہو گیا کہ اب جنگ کا کوئی امکان نہیں اور وہ بالکل غافل ہو گئے۔ تیسری رات نصف شب کے بعد شیر خاں نے اپنے امراء و سرداران لشکر کو طلب کیا اور انہیں اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس کے ایسا کرنے کا باعث یہ ہے کہ ہمایوں کی طرف سے شرائط کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے بار بار کر چکا ہے۔ یہ اس کا دستور تھا کہ جنگی منصوبہ عین اسی صبح ظاہر کرتا جب حملہ کرنا ہوتا تاکہ اس کی خبر دشمن تک پہنچ جانے کا کوئی امکان نہ رہے۔ نیز وہ ہر اہم قدم اٹھانے سے پہلے اپنے امراء کو پوری طرح اعتماد میں لیتا تھا۔

ایک پہر رہے رات افغان لشکر مغلوں پر حملہ آور ہوا۔ کہتے ہیں ہمایوں وضو کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے حملہ کی خبر ملی۔ ابھی وضو ختم نہیں کر پایا تھا کہ مغل بھاگ کھڑے ہوئے۔ گویا افغانوں نے لفظاً اور معناً چشم زدن میں فتح حاصل کی۔ یہ ۹ صفر ۹۴۶ھ (۲۷ جون ۱۵۳۹ء) کا واقعہ ہے۔

بقول نعمت اللہ ہروی مولف مخزن افغانی مغل لشکر میں سے صرف محمد زماں نے اپنے آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر نہ صرف شکست کھائی بلکہ خود بھی مارا گیا۔

مغل لشکر سراسیمگی میں دریا کے پل کی جانب بھاگا مگر پل ٹوٹ گیا یا پہلے ہی کاٹ دیا گیا تھا۔ آٹھ ہزار ہمایونی سپاہ دریا میں غرق ہوئی۔ خود ہمایوں سراسیمگی کی حالت میں اپنی جان بچا کر بھاگا اور گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ گھوڑا ران کے نیچے سے نکل گیا۔ ڈوبنے کو تھا کہ نظام نامی ایک سقے نے اپنی مشک کے سہارے بچایا۔ ہمایوں دوسرے کنارے پہنچا تو اس سے نام پوچھا "نظام سقا" اس نے بتایا۔

"اس وقت تو نے میرے لئے نظام و لیا ہے" تاجدار ہند نے کہا "اگر کبھی قسمت نے یاوری کی تو میرے پاس آنا۔ منہ مانگی مراد پائے گا۔"

یہ وہی نظام سقا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے آگرہ پہنچ کر ہمایوں سے نصف دن کی بادشاہی مانگی اور پائی۔ پھر اس مبارک موقع کی یاد میں اپنی اسی مشک کے ٹکڑے کاٹ کر انہیں بطور سکہ رائج کیا۔ ہمایوں کے بھائیوں کو یہ بات پسند نہ آئی کہ جس تخت کے لئے وہ ترس گئے ہیں اس پر ایک سقا بیٹھ جائے خواہ آدھے دن ہی کے لئے سہی۔

سوائے نعمت اللہ ہروی کے باقی سب مورخین نظام سقے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ہمایوں کی بہن گلبدن بیگم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ نعمت اللہ کا بیان ہے کہ شمس الدین محمد غزنوی نے ہمایوں کو ڈوبنے سے بچایا تھا اور اس کی اس خدمت کے عوض اس کے بیٹوں نے اعلیٰ عہدے پائے۔ ممکن ہے شمس الدین نے ہمایوں کے دریا میں کودنے سے پہلے اسے میدان جنگ سے نکالنے میں خدمات انجام دی ہوں۔

کہتے ہیں ہمایوں ننگے سر ننگے پاؤں دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر فرش خاک پر بیٹھا تو اس کے منہ سے بے اختیار کسی کی یہ رباعی نکلی۔

ستم گرا! فلکا! کجروا! جفا کارا!
نگویمت کہ مرا تخت و تاج شاہی دہ
توئی چو کہنہ رباطے فتادہ بر سر راہ
ز ہر کہ خواہ ستان و بہر کہ خواہی دہ

مختلف مورخین نے اس جنگ کی مختلف تفاصیل لکھی ہیں۔ بعض نے ہمایوں کے ساتھ شیر خاں کی دونوں جنگوں کے حالات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ بعض نے اس واقعہ کو گنگا کے کنارے بتایا ہے۔ بعض نے شیر خاں کو دوسرے کنارے پر ظاہر کیا ہے۔ شیر خاں کا بارش کے دنوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر اپنی فوج لے جانا قابل تسلیم نہیں۔ فوجی لحاظ سے بھی اس کا اپنی جائے محفوظ قلعہ رہتاس اور اپنے درمیان دریا حائل کر لینا تباہ کن اقدام ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے ہمایوں ایک بار دریا پار کر چکا تھا۔ پھر شیر خانی لشکر کا پیچھا کرنے کی شرط پوری کرنے کے لئے دوبارہ اپنے بنائے ہوئے پل کے راستے دریا کے مشرقی کنارے آ گیا تھا اور لڑائی دریا کے مشرقی کنارے پر ہوئی۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا کہ حملہ سے پہلی رات شیر خاں نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اور ہمایوں دونوں جناب سرور کونین کے دربار میں حاضر ہوئے اور حضور نے ہمایوں سے تاج لے کر اسے مرحمت کیا اور فرمایا کہ عدل سے حکومت کرنا۔ اسی طرح ہمایوں سے یہ بھی منسوب ہے کہ اس نے شیر شاہ سے دوسری بار شکست کھانے کے بعد سید رفیع الدین اور حضرت مجدد الدین سرہندی کو بتایا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے مردان غیب کو شیر شاہ کی طرف سے لڑتے اور اپنے سرداروں کے گھوڑوں کے منہ پھیرتے دیکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی باتوں کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ہمایوں نے اگر شکست کھائی تو اپنی کسی کمزوری کے باعث نہیں کھائی بلکہ یہ ملاء اعلیٰ کا فیصلہ تھا اور ہمایوں کیا اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی طرح شکست کھاتا۔ دوسری جانب اس سے بالواسطہ شیر شاہ کا مقبول الٰہی ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ افغان مورخین اسی طرح دہری چال چلتے ہیں۔ بظاہر اپنے مغل سرپرستوں کے سامنے ہمایوں کو کمزوریوں سے بالا ثابت کرتے ہیں اور بباطن شیر خاں کو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو بتاتے ہیں۔

اسی طرح صاحب "صولت شیر شاہی" کا یہ لکھنا بھی واقعات پر مبنی معلوم نہیں ہوتا کہ شیر شاہ کے لشکر کا گرد و غبار نظر آیا تو مؤید بیگ نے یہ کہہ کر فوراً حملہ کرنے کا مشورہ دیا کہ شیر خاں اٹھارہ بیس کوس سے آ رہا ہے۔ اس کا لشکر تھکا ہوا ہو گا۔ انہیں قدم جمانے کی مہلت دیئے بغیر ان پر حملہ کر دینا چاہیئے۔ مگر بعض دیگر امراء کے مشورہ پر کہ تعجیل مناسب نہیں، ہمایوں نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ شیر خاں حد درجہ محتاط شخص تھا اور نہایت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا عادی تھا۔ اس کے متعلق یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اس طرح اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا ہو۔

شیر شاہ

شیر خاں کو اس طرح فتح حاصل ہوئی کہ وہ خود بھی حیران رہ گیا۔ افغان جس کامیابی کو ابھی دور سمجھ رہے تھے وہ انہیں اچانک اپنے پاؤں میں پڑی نظر آئی تو مارے خوشی کے پاگل ہو گئے۔ شیر خاں کے لڑکے اور افغان امراء فرط مسرت سے رقص کرنے لگے اور عرصہ تک ناچتے، گاتے اور شش تارے بجاتے رہے مگر شیر خاں کا دل نیازمندی کے جذبات سے معمور تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ بڑے بڑے افغان امراء اس کے گرد تھے دیکھا تو سپاہی حرم ہمایونی کو اس کی کنیزوں اور خادماؤں کے ہمراہ لئے آ رہے ہیں۔ اس کا نیازمند دل اور جھک گیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور ان خواتین کی مناسب تعظیم بجا

لیا۔ پھر بارگاہِ ایزدی میں جبینِ نیاز سے کلمہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا "تیری بزرگی اور قدرت لازوال ہے تو نے عاجز فرید کو سرفراز کیا اور اس سے ہمایوں جیسے بادشاہ کو اس طرح شکست دلائی کہ خود عقل کے وہم و گماں میں بھی نہیں آسکتا تھا۔"

اس کے بعد حرم ہمایوں سے مخاطب ہوا "میں وہی فرید خاں ہوں۔ آپ کا خادم میرے پاس آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ بادشاہ سلامت آگرہ چلے گئے ہیں۔ چند روز بعد آپ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

اس کے بعد اپنے حرم کے قریب ان کے خیمے لگوا دیئے۔ ان کے کھانے اور لباس کا مستقل انتظام کر دیا۔ کہتے ہیں وہاں چار ہزار مغلانیاں جمع تھیں۔ شیر خاں نے ہر مغلانی کو جس کے ساتھ کوئی مرد تھا۔ راستے اور گھوڑے کا خرچ دیا کہ وہ چلی جائے۔ بوڑھے اور معزز افغانوں کو پہرہ پر مقرر کر دیا تاکہ کوئی افغان سپاہی مغلانیوں کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ تمام لشکر میں اعلان کر دیا کہ اگر کوئی ان عورتوں کی طرف بری نگاہ سے دیکھے گا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ شکست خوردہ لشکر کی تمام خواتین کی عزت محفوظ رہی۔

شیر خاں نہ فتح سے مغرور ہوا اور نہ اس نے گرے ہوئے دشمن کی خواتین کو ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی۔ کامیابی نے اس کے سر نیاز کو اور جھکا دیا اور اس کے جوہر شرافت کو اور چمکا دیا۔ اس سے پہلے بابر بھی ابراہیم لودھی کی وفات کے بعد اس کی خواتین سے ادب سے پیش آچکا تھا خود ہمایوں بھی شریف دشمن تھا۔ اور بیت خاں کے معاملہ میں ہم اس کی شرافت دیکھ چکے ہیں۔ جب ہمایوں کابل پہنچ گیا تو شیر خاں نے اس کے حرم کو اپنے آدمیوں کے ساتھ بصد ادب و احترام اس کے پاس پہنچا دیا۔

اس نے ہمایوں کے بڑے بڑے سرداروں کو جو گرفتار ہو کر آئے، آزاد کر دیا صرف شیخ خلیل کو جنہیں نے اسے بروقت صحیح مشورہ دیا تھا اپنے پاس ٹھہرا لیا اور اپنے خاص امرا میں داخل کیا۔

شیر خاں نے ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر اطراف مملکت میں فتح کے پروانے جاری کرنے کا حکم صادر کیا۔

مسند عالی عمر خاں نے عرض کیا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ ہند پر فتح دی ہے۔ اب فتح نامے بطریق پروانہ نہیں بلکہ بطریق فرمان لکھے جانے چاہییں۔" اشارہ اس طرف تھا کہ اب شیر خاں کو اپنی بادشاہی کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ یہ وہی مسند عالی عمر خاں تھا جس کی ملازمت میں شیر خاں کا باپ ایک مدت رہا تھا اور جس کی خدمت میں وہ بند کرکے اپنے باپ کے ساتھ گیا تھا اور جس نے اسے ایک گاؤں کی جاگیر کا فرمان دیا تھا۔

شیر خاں کو وہ دن یاد تھے۔ بولا "آپ حضرات نے جو سلطان بہلول اور سلطان سکندر لودھی کے زمانے کے امرا اور امراء زادگان میں سے ہیں۔ افغانوں کی عزت و ناموس کی خاطر میرا ساتھ دے کر مجھے سرفراز کیا ہے۔ اب یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ میں آپ کے نام فرمان صادر کروں یا میں تخت پر بیٹھوں اور آپ میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں۔"

"ملک کسی کی میراث نہیں" مسند عالی عیسیٰ خاں نے عرض کیا "جو کوئی اسے تلوار سے حاصل کرے وہی اس کا مالک ہے اور جس کے اخلاق اچھے ہوں اس کے پاس رہتا ہے آپ نے بادشاہ وقت کو شکست دی ہے اور آپ جامع اخلاق حمیدہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی نصرت آپ کے شامل حال ہے۔ جس طرف آپ حملہ کرتے ہیں فتح آپ کے قدم چومتی ہے۔

ہم افغان امرا سلطان ابراہیم لودھی کی وفات کے بعد جس کسی حاکم کے پاس رہے ہیں اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے رہے ہیں اور ساتھ ہی لوگوں کی طعن و تشنیع کی باتیں بھی سنتے رہے ہیں۔ "ان نامردوں کو دیکھو اپنی سلطنت گنوا کے اب دوسروں کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں۔" آپ کے قدموں کی برکت سے ہم افغانوں میں اتحاد پیدا ہوا ہے اور ہم نے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کی ہے۔ اس لئے آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا ہمارے لئے باعث توہین نہیں بلکہ باعث فخر ہے۔ سب جانتے ہیں جو قوم اپنا بادشاہ نہیں رکھتی وہ جسد بے روح کی طرح ہے۔ اس لئے اب یہی مناسب ہے کہ آپ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیں۔"

اس کے بعد اعظم ہمایوں ہیبت خاں اٹھا "مغل ہم افغانوں کو فنون حرب اور انتظام ملکی میں اپنے سے کم تر سمجھتے تھے اور ہم میں بھی احساس کمتری پیدا ہو چکا تھا۔ آپ نے ہماری خود اعتمادی کو بحال کیا اور آپ کی سرکردگی میں ہم نے مغلوں کو ہر میدان میں شکست دی۔ ملک اللہ کی دین ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔ آپ کو اپنا بادشاہ بنا کر ہم صرف اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں گے۔"

خیال رہے کہ یہ تینوں اس کے اپنے ساتھیوں میں سے نہ تھے۔ یہ وہ معزز امرا تھے جو پہلے افغان بادشاہوں کے زمانوں میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہ چکے تھے۔ اور بہت عرصہ تک اس کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد باقی امرا نے بھی اس رائے کی تائید کی۔

"بادشاہی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔" شیر خاں نے سب کی باتیں سن کر کہا "اور اس میں بہت سے خطرات بھی پنہاں ہوتے ہیں لیکن چونکہ آپ حضرات کی یہ رائے ہے اس لئے میں اسے قبول کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مشکل کام میں میری مدد فرمائے انشاء اللہ اس کی مدد سے اور آپ کے تعاون سے ہم سب مشکلات پر قابو پائیں گے اور یہاں دوبارہ افغان سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

اس کے بعد شیر خاں شیر شاہ کے لقب اور شاہ عالم کے خطاب سے تخت نشین ہوا تخت نشینی سے پہلے دو رکعت نفل شکرانہ ادا کئے اور سعدی کا قطعہ بدون تغیر کے پڑھا۔[1]

خدایا توانا توانگر توئی
توانا و درویش پرور توئی
فرید حسن را تو شاہی دہی
سیاہ ہمایوں بجاہی دہی

سات روز تک جشن مسرت قائم رہا۔ انواع و اقسام کے کھانے پکے۔ سرداروں نے جاگیریں پائیں۔ اور سپاہیوں نے انعام و اکرام حاصل کئے اور شیر شاہ کے نام کا سکہ و خطبہ جاری ہوا۔ سکے کے ایک رخ بخط فارسی

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ

کندہ کرایا اور دوسرے رخ بخط ہندی۔

---

[1] سعدی کا اصل قطعہ یہ ہے

کہ پروردگارا توانگر توئی — توانا و درویش پرور توئی
یکی را بر آری و شاہی دہی — دگر را ز شاہی بجاہی دہی

(بوستان)

سلطان شیر شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

سلطان حفیظ الدنیا والدین

شیر شاہ

اس سے اس کی وسیع مشربی اور بے تعصبی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے پہلے یا بعد کسی اور مسلم فرمانروائے ہند نے سوائے سلیم شاہ کے اپنے سکوں پر ہندی حروف میں اپنا نام کندہ نہیں کرایا۔ یہاں تک کہ اکبر بادشاہ جیسی کا اس قدر چرچا ہے۔ اس نے بھی ایسا نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نئی راہیں سوچ سکتا تھا اور ان پر چلنے کی جرات بھی رکھتا تھا۔ ظاہر ہے اس اقدام سے اس نے اپنی ہندو رعایا کا دل مٹھی میں کر لیا ہوگا اور وہ حکومت کو غیر ملکی کی بجائے اپنی سمجھنے لگے ہوں گے۔

علاوہ ازیں اس نے سب سے پہلے تانبے کے سکے کو رواج دیا۔ اس سے پیشتر سلطان محمد تغلق نے اس ضمن میں بہت کوشش کی تھی کہ باوجود خونریزی کے اس اقدام میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ شیر شاہ نے یہ سکہ آسانی سے رائج کر لیا۔

کہتے ہیں ابتدائی ایام میں شیر شاہ کو کسی گاؤں میں رات آگئی۔ اس کے پاس چند تانبے کے سکے ہی تھے مگر بقال نے رات کے اندھیرے میں انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس رات اسے خیال پیدا ہوا کہ سکہ تانبا کا ہونا چاہیئے۔ جسے لوگ رات کے وقت بھی قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔

"سلطان حفظ الدین والدنیا" لکھوانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ دین اور دنیا کو الگ الگ نہیں سمجھتا تھا بلکہ دینی امور کو دینی اقدار کے مطابق طے کرنا پسند کرتا تھا اس کا قول تھا کہ اپنے دنیوی فرائض کو عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہیئے اور یہی اسلام کا اصل اصول ہے۔

شعر: از کلید دین در دنیا کشاد

چاروں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی بھی سکے پر کندہ کرا دیئے۔ یہ اقدام غالباً شیعہ سنی چپقلش کی روک تھام کے لئے تھا۔ اگرچہ زیادہ لوگوں کا یہی خیال ہے کہ ہمایوں کے ایران سے واپس آنے کے بعد یہاں شیعہ فرقہ کے خیالات کو فروغ حاصل ہوا مگر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمایوں سے پہلے ہی یہاں شیعہ فرقہ کے خیالات راہ پا چکے ہوئے تھے۔

شری کا لفظ ابے ۱۹۴۷ء کے بعد بھارتی حکومت نے اپنے عہدیداروں کے ناموں سے پہلے لکھنا شروع کیا ہے۔

جشن سے فارغ ہونے کے بعد شیر شاہ نے قنوج تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور ولایت دابی کو اپنے قبضہ میں کر کے اپنے بیٹے قطب خان کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے فوراً بعد وہ نظم ونسق حکومت کو بہتر بنانے میں لگ گیا کیونکہ وہ حکمران کی ذمہ داریوں کو بہت زیادہ محسوس کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اگر تمام ملک میں کسی ایک بھی شخص کو نقصان پہنچ جائے تو اس کا وبال حاکم کی گردن پر ہوتا ہے۔ وہ غفلت اور ظلم کو حکمرانوں کے بدترین دشمن قرار دیتا تھا۔ اپنی مردم شناسی کے باعث اس نے اپنے گرد بہترین انسان جمع کر لئے تھے۔ فیاضی اور قدردانی اس کے دو تعویذ تھے جن کی مدد سے وہ ہر اچھے انسان کو اپنے ساتھ وفا کی زنجیروں میں جکڑ لیتا تھا اور جو قابل شخص ایک بار اس کے پاس آجاتا پھر وہاں سے جانے کا نام نہ لیتا۔

اطراف ملک میں اس نے معتمد افسروں کا تعین کر کے امن وامان بحال کر دیا بنگال کی طرف خواص خان کو بھیجا۔ مشہور مؤرخ فرشتہ کا خیال ہے کہ وہ خود بنگال گیا تھا۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ بنگال میں ہمایوں جہانگیر قلی بیگ کو چھ ہزار سواروں کے ساتھ چھوڑ آیا تھا۔

خواص خان نے ولایت بنگال کو مغلوں سے بالکل پاک کر دیا اور وہاں کا نظم ونسق پورے طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

گجرات اور مالوہ کی جانب مسند عالی عیسیٰ خان کو روانہ کیا اور کہا کہ جتنا جلد ہو سکے میں جلد اپنے بیٹے کو اس طرف بھیجوں گا۔ جب ہمایوں قنوج کی طرف کوچ کرے تب تم میرے بیٹے کے ساتھ مل کر آگرہ اور دہلی پر حملہ کر دینا۔ مسند عالی نے ان علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کے حکمرانوں اور سرداروں کو ہموار کرنے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی بعضوں نے زبانی طور پر مدد کا وعدہ کیا۔ صرف دریا خان گجراتی نے صاف صاف بات کی۔ اس نے کہا "ہمارا بادشاہ کمسن ہے اور امرا آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے فوج ملک سے باہر بھیجنا ناممکن ہے"۔

اجین اور سارنگپور کے حکمران ملو خان الملقب بہ قادر شاہ نے شیر شاہ کی خدمت میں جو مکتوب لکھا اس میں اپنی مہر خط کے اوپر ثبت کی۔ اس وقت کے دستور کے مطابق اپنے ماتحتوں کو خط لکھتے وقت مہر خط کی پیشانی پر ثبت کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شیر خان کو اپنا ماتحت یا اپنے سے کم سمجھتا ہے۔ شیر شاہ نے اس کی بے ادبی کو محسوس کیا۔ اور اس نے خط کا سرنامہ چاک کر کے اپنی تلوار کی میان میں رکھ لیا گویا اسے آئندہ کارروائی کے لئے محفوظ کر لیا۔

مسند عالی عیسیٰ خان دورہ سے واپس آیا تو اسے گجرات اور مالوہ میں جو جو افغان ملے انہیں اپنے ساتھ لیتا آیا۔ واپسی پر شیر شاہ نے اس سے خواص خان یوسف خیل بن دولت خان لودھی کے بارہ میں رائے دریافت کی۔ مسند عالی نے اس موقع پر جب افغانوں کی ہمایوں سے زندگی اور موت کی کشمکش جاری تھی اور آخری معرکہ قریب نظر آتا تھا۔ ایسے شخص کو جو پہلے ان کو بہت غداری کر چکا ہو اپنے پاس زندہ رکھنا قومی تحفظ اور سلامتی کے منافی سمجھتے ہوئے اسے مروا ڈالنے کا مشورہ دیا۔ شیر شاہ نے کہا اب تک میں نے جس کسی سے اس بارہ میں مشورہ لیا ہے اس نے یہی کہا ہے کہ خواص خان یوسف خیل موت کا سزاوار ہے اسے قتل کی انتہائی سزا نہیں دینی چاہیئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شیر شاہ بھی اسے اسی سزا کا مستحق سمجھتا تھا۔ مگر چونکہ امرا کی متفقہ رائے اس کے حق میں تھی اس لیے اس پر عمل نہیں کر رہا تھا۔ جب مسند عالی نے یہ رائے دی تو اس نے اس پر عمل کرتے ہوئے خانخاناں مذکور کو اس کی مسلسل غداریوں کے جرم کی پاداش میں مروا دیا۔

ہمایوں سے دوسری جنگ

جنگ چونسہ کے تقریباً آٹھ ماہ بعد مارچ ۱۵۴۰ء میں ہمایوں پوری تیاری کر کے ایک لاکھ فوج کے ساتھ آگرہ سے نکل کر قنوج کی جانب بڑھا تاکہ پچھلی شکست کا بدلہ لے اور گذشتہ ندامت مٹائے۔ شیر شاہ نے سنا تو اپنے بیٹے قطب خان کو لکھا کہ وہ کالپی سے مالوہ کی جانب کوچ کرے اور وہاں کے حکام کی مدد لے کر ہمایوں کے عقب میں آگرہ اور دہلی کے نواح میں خلل اندازی کرے۔ قطب خان مالوہ کی طرف بڑھا۔ ہمایوں نے سنا تو اپنے بھائیوں میرزا عسکری اور میرزا ہندال کو کچھ فوج دے کر اس کے مقابلہ میں بھیج دیا۔ حکام مالوہ نے قطب خان کو کوئی مدد نہ دی۔ قطب خان ایلاجی آگے بڑھا مقام چندیری کے قریب مغلوں سے مقابلہ ہوا۔ قطب خان مارا گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ مغلوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

شیر شاہ کو اپنے بیٹے کی وفات کا بہت صدمہ ہوا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ ہمایوں اپنی سپاہ کے ساتھ قنوج کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ شیر شاہ بھی پچاس ہزار فوج کے ساتھ بڑھا اور قنوج کے بالمقابل دریا کے کنارے پر قیام پذیر ہوا۔ شیر شاہ کا

وفادار جرنیل خواص خاں ان دنوں نواح بہار کھنڈ میں ایک ڈاکو جو دمہارٹہ کی سرکوبی میں مصروف تھا جس نے اس علاقہ میں اودھم مچا رکھا تھا اور رہزنی اور قتل و غارت سے خلقِ خدا کے لئے عذاب جان بنا ہوا تھا۔ شیر شاہ خواص خاں کے انتظار میں لڑائی کو ٹالتا رہا۔ تین ماہ اسی طرح گذر گئے۔ جب شیر شاہ کو خبر ملی کہ خواص خاں نے مہارٹہ کو قتل کر دیا ہے تو اس سے افغان لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور قطب خاں کی موت کے باعث ان پر جو افسردگی طاری تھی وہ دور ہو گئی۔ شیر شاہ نے خواص خاں کو جلد آنے کے لئے لکھا "خراسان اور ہند کے بادشاہوں نے تمہارے انتظار میں جنگ روک رکھی ہے" ہمایوں کو خراسان کا بادشاہ لکھا اور اپنے آپ کو ہند کا۔ خواص خاں اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ اس نے حکم پہنچتے ہی اپنے لشکر سمیت قنوج کی طرف کوچ کیا۔ خواص خاں نزدیک پہنچا تو شیر شاہ نے ہمایوں کو لکھا "افغان جانباز لڑنے کے لئے بے قرار ہیں یا آپ اس طرف آ جائیں یا ہمیں ادھر آنے دیں۔" ہمایوں نے شیر شاہ کی جانب آنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر شرط یہ عائد کی کہ شیر شاہ اپنا لشکر دو تین کوس پیچھے ہٹا لے جائے۔ شیر شاہ اپنا لشکر پیچھے لے گیا۔ ہمایوں نے دریا پر پل بندھوایا اور اس کے لشکر نے دریا عبور کرنا شروع کیا۔ شیر شاہ کے ایک امیر حمید خاں کاکڑ نے اس کی خدمت میں عرض کیا "اس وقت مغل دریا عبور کر رہے ہیں۔ موقع اچھا ہے۔ آپ ہمیں حملے کا حکم دیں۔" مگر شیر شاہ نہ مانا "اگرچہ جنگ میں دھوکا فریب جائز ہے" اس نے کہا "مگر عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ یہ آخری معرکہ ہے۔ کھلے میدان میں صاف صاف فیصلہ ہونا چاہیئے تاکہ کسی فریق کو حسرت نہ رہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہیں گے فتح دے دیں گے" جب ہمایوں کا لشکر پوری دلجمعی سے دریا پار اتر آیا۔ پھر شیر شاہ اپنی عادت کے مطابق احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور میدان جنگ میں خام قلعہ تعمیر کیا۔

۱۰ محرم سنہ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) کو دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے مغل لشکر کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

قلب: تردی بیگ۔ محمد ولی۔ میر لوز وغیرہ۔

ہراول: مؤید بیگ اور دوسرے امرار۔

میمنہ: میرزا ہندال۔

میسرہ: مرزا عسکری۔

افغان لشکر مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق آراستہ تھا۔

ہراول: امیر الامرا خواص خاں اس کے ساتھ حاجی خاں، جلند خاں، سرمست خاں، وغیرہ سردار تھے۔

میمنہ: جلال خاں پسر شیر شاہ۔

میسرہ: عادل خاں پسر شیر شاہ۔

قلب میں: ہیبت خاں نیازی، اعظم ہمایوں شروانی، عیسیٰ خاں نیازی، قطب خاں وغیرہ

جنگ شروع ہونے سے پہلے شیر شاہ نے حسب معمول اپنے امرا سے خطاب کیا "یہ آخری موقع ہے"۔ اس نے کہا "آج فیصلہ ہو جائے گا کہ ہند کی سلطنت کے حق دار افغان ہیں یا مغل۔ آج یا مغل یہاں سے نکل جائیں گے یا افغانوں کو کئی برس کی حکومت کے بعد اپنا یہ ملک چھوڑنا ہوگا۔ اس لئے ہر افغان کا فرض ہے کہ وہ اپنی جان کی آخری بازی لگا دے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ یا آج اس میدان سے فتحیاب ہو کے نکلوں گا یا پھر یہیں جان دے دوں گا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ میرا ساتھ نباہتے ہوئے عزت کی زندگی کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دیں یا میرا ساتھ چھوڑ کر بے عزتی کی زندگی اختیار کر لیں۔ اگر ثابت قدم رہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مغل ہرگز ہرگز آپ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

"آج تک آپ ہم پر احسانات کرتے رہے ہیں" امرا نے کہا "آج ہماری طرف سے بدلا چکانے کا دن ہے۔ آپ خود دیکھ لیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔"

اس کے بعد عام حملہ شروع ہوا۔

خواص خاں حسب معمول بجلی کی سی تیزی سے حملہ آور ہوا اور اس نے دیکھتے دیکھتے ہمایوں کے مقدمۃ الجیش کو پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن شیر شاہی فوج کا میمنہ میرزا عسکری سے شکست کھا کر پیچھے ہٹا اگرچہ جلال خاں خود میدان میں قائم رہا تین اور سردار میاں یوسف، محمد گکھبوڑ اور غازی محلی (محب علی) سلاحدار بھی اس کے ساتھ کھڑے رہے۔ شیر شاہ نے بیٹے کی امداد کے لئے جانا چاہا مگر قطب خاں لودھی ساہو خیل نے آگے بڑھ کر عرض کیا "حضور کا قلعہ خام چھوڑ کر جانا مناسب نہیں۔ آپ قلعہ کے درمیان رہتے ہوئے آگے بڑھیں" شیر شاہ مان گیا۔ اتنے میں وہ مغل فوج جس نے شیر شاہی میمنہ کو شکست دی تھی، آگے بڑھ کر شیر شاہ کے قلعہ پر حملہ آور ہوئی مگر شیر شاہ نے مار مار کر ان کے منہ پھیر دیئے اور انہیں مڑ کر ہمایوں کے قلعہ میں داخل ہونا پڑا۔ ادھر شیر شاہی میسرہ میرزا ہندال کو شکست دے کر ہمایوں کے قلب پر حملہ آور ہوا۔ اب شیر شاہی میمنہ پر سے زور کم ہوا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ہمایوں کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اس طرح ہمایوں کے قلب پر تین اطراف سے حملہ ہو گیا۔ وہاں گھمسان کا رن پڑا۔ تلواروں نے تلواروں سے ٹکرا کر آگ کے شرارے برسائے۔ بہادروں نے آگے بڑھ بڑھ کر عزت و شہرت پر اپنی جانیں نثار کیں اور وفا کے پھولوں سے اپنے دامنوں کو بھر بھر کر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ شیر شاہ کے بیٹوں اور اس کے امرا بالخصوص خواص خاں اور ہیبت خاں نیازی نے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے۔ یہ جانباز تلواریں چلاتے بے درنگ مغل لشکر کے اندر گھس گئے اور ان کی صفوں کو آناً فاناً پلٹ دیا۔ مغلوں نے باوجود کثرت تعداد کے شکست کھائی۔ ان کی کچھ فوج قتل ہو گئی کچھ اسیر ہو گئی۔ کچھ دریا کا پل ٹوٹ جانے کے باعث غرق آب ہو گئی اور باقی بھاگ گئی۔ ہمایوں بھی جان بچا کر بھاگا اور اس نے آگرہ پہنچ کر دم لیا۔

اب شیر شاہ پوری طرح ہند کا فرمانروا ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھاون برس کے قریب تھی۔ کہا کرتا تھا "بہ ہنگام نماز شام بمقصد رسیدم۔"

فتح کے بعد دو نفل شکرانہ کے ادا کئے۔ اس کے بعد انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔

شیر شاہ نے پہلے برفرید گوڑ کو کچھ فوج دے کر ہمایوں کے تعاقب میں روانہ کیا پھر شجاعت خاں حاکم بہار و فوجدار رہتاس کو لکھا کہ وہ فوراً قلعہ گوالیار کا محاصرہ کرے۔ ایلچی سے یہ بھی کہہ دیا کہ شجاعت خاں کا بیٹا اس جنگ میں کام آ چکا ہے۔ ابھی اسے اس کی وفات کی اطلاع نہ دینا۔ شجاعت خاں نے حکم پہنچتے ہی گوالیار کی جانب کوچ کر دیا۔ نصیر خاں کو حکم ہوا کہ وہ سنبھل کی طرف بڑھے۔

ہمایوں نے تعاقب کی خبر سنی تو آگرہ چھوڑ لاہور کا رخ کیا۔ برفرید گوڑ آگرہ پہنچا تو وہاں جو مغل اس کے ہاتھ آئے اس نے انہیں تہ تیغ کر دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے خود شیر شاہ بھی آگرہ پہنچ گیا۔ برفرید گوڑ کو اس کی سفاکی پر سخت سست کہا۔ خود آگرہ ٹھہرا اور خواص خاں اور برفرید گوڑ کو ہمایوں کے پیچھے لاہور روانہ کیا انہیں یہ ہدایات تھیں کہ وہ ہمایوں کے عقب میں پچاس کوس کے فاصلہ پر رہیں۔ تاآنکہ وہ حدود ہند سے نکل جائے۔ اسے گرفتار یا قتل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شیر شاہ خود بھی ان کے پیچھے پیچھے دہلی پہنچ۔

وہاں سنبھل کے معززوں اور رعیت نے پیش ہو کر نصیر خاں کے ظلم و ستم کی شکایت کی شیر شاہ نے ان کی عرض سن کر مسندِ عالی عیسیٰ خاں کو وہاں کا حاکم بنا کر بھیج دیا اور نصیر خاں کو اس کے ماتحت کر دیا۔ "شیر شاہ نے کہا، اس کے اس فقرہ سے مسندِ عالی کی عظمت واضح ہو جاتی ہے"۔ دراصل کوئی شخص کیلے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ راستہ چلنے کی اوّل شرط اچھے رفیقانِ راہ کا ہونا ہے۔ جو شخص اچھے ساتھیوں کا انتخاب نہ کر سکے یا انہیں اپنے ساتھ نہ رکھ سکے وہ دنیا میں کچھ حاصل نہیں کر سکتا"۔

میوات حاجی خاں کو عطا ہوا اور جب شیر شاہ دہلی سے آگے سرہند پہنچا تو وہ ولایت خواص خاں کو عنایت کی۔ بعد میں اسے لاہور بھی عطا ہوا۔ امیر الامراء کا خطاب بھی مل گیا۔ شیر شاہ کے زمانہ میں مرتبہ کے لحاظ سے اس پیکرِ وفا و شجاعت سے بڑھ کر کوئی اور مرد نہ تھا۔

شہنشاہ ہمایوں اور میرزا کامران لاہور پہنچے تو وہاں تین مغلوں کی تازہ دم فوج ملی انہوں نے دعویٰ کیا "ہمارا مقابلہ افغانوں سے ہو تو ہم ان سے گزشتہ شکستوں کا بدلہ لے سکتے ہیں"۔ ہمایوں نے انہیں ادھر اُدھر سے مزید سپاہ اور سامان جنگ فراہم کر دیا اور افغانوں سے لڑنے کی اجازت دی۔ شیر شاہ کو خبر پہنچی تو اس نے خواص خاں اور برمزید کو مقابلہ پر بھیجا۔ اس لوہے پہ مقابلہ ہوا۔ مغلوں نے بُری شکست کھائی۔ خواص خاں سلطانپور ٹھہر گیا۔ ہمایوں اور کامران شکست کی خبر سن کر لاہور سے نکل گئے۔ کامران نے کابل کی راہ لی اور ہمایوں ملتان کی طرف نکل گیا۔ شیر شاہ لاہور پہنچا مگر وہاں توقف کئے بغیر سیدھا خوشاب جا قیام کیا۔ خوشاب سے خواص خاں اور عیسیٰ خاں نیازی کو ہمایوں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ وہ دو ہی منزل گئے تھے کہ انہیں خبر ملی کہ مغلوں کا ایک لشکر جو دو حصوں میں منقسم ہے، افغانوں پر حملہ کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ افغان بھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ خواص خاں اور عیسیٰ خاں دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر گئے۔ قطب خاں اور اس کے ساتھی اسی کنارے پر رہے۔ آگے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی حملہ آور مغل لشکر نہ تھا بلکہ میرزا کامران چھوٹے سے لشکر کے ساتھ ہمایوں کو چھوڑ کر کابل کی طرف جا رہا تھا۔ خواص خاں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی ان بے چاروں نے جنگ کیا کرنی تھی۔ علم و نقارہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ خواص خاں نے وہ علم و نقارہ لا کر شیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

خوشاب میں شیر شاہ کے قیام کے دوران میں اسماعیل خاں، فتح خاں اور غازی خاں بلوچ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی ملازمت اختیار کی۔ شیر شاہ نے انہیں گھوڑے داغنے کے لئے کہا تو اسماعیل خاں نے عرض کیا "گھوڑے داغنے کا کیا ہے آپ حکم دیں تو ہم پہلے آپ کو بھی داغ لیں"۔ اسماعیل کو سندھ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ وہیں شیر شاہ کے آبائی وطن علاقہ روہ (افغانستان) کے بہت سے افغان سردار اور عوام اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مبارکباد پیش کی۔ شیر شاہ ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا اور انہیں اس قدر زرِ نقد اور سامان دے کر رخصت کیا کہ انہیں عرصہ تک کے لئے فقر و فاقہ اور احتیاج سے نجات مل گئی۔

مگر اس علاقہ کے گکھڑوں کا سردار سارنگ گکھڑ شیر شاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔

فتح کے بعد

بیرم خاں

مسندِ عالی عیسیٰ خاں سنبھل پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ نصیر خاں نے بیرم خاں کو جو ہمایوں کا ایک سردار تھا، گرفتار کر لیا ہے اور اسے مروا ڈالنا چاہتا ہے۔ جب ہمایوں نے شکست کھائی تو بیرم خاں بھاگ کر میاں عبدالوہاب رئیس شہر سنبھل کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ میاں عبدالوہاب میاں عزیز اللہ خاں کا بیٹا تھا اور بیرم خاں سے اس کے تعلقات بہت گہرے اور مخلصانہ تھے۔ نصیر خاں سنبھل کا حاکم ہو کے آیا تو میاں عبدالوہاب نے اس کے ڈر سے بیرم خاں کو لکھنؤ کے راجہ مترسین کے پاس بغرض حفاظت بھجوا دیا۔ نصیر خاں کو پتہ چل گیا وہ بیرم خاں کا سخت مخالف تھا۔ اس نے راجہ مذکور سے بیرم خاں کو منگوا لیا اور اسے قتل کرنے کے درپے ہوا۔ اسی دوران میں مسندِ عالی عیسیٰ خاں سنبھل کے حاکم مقرر ہو کر وہاں پہنچے۔ میاں عبدالوہاب کے ان سے سکندر لودھی کے وقت کے تعلقات تھے۔ انہوں نے مسندِ عالی سے بیرم خاں کی جاں بخشی کی سفارش کی۔ مسندِ عالی بیرم خاں کو نصیر خاں سے چھڑا لائے اور اسے اپنے پاس رکھا۔

جب مسندِ عالی اجین کی مہم کے سلسلہ میں سلطان شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بیرم خاں کو ساتھ لیتے گئے اور اسے سلطان کے حضور پیش کر دیا۔ "اب تک یہ کہاں تھے؟" سلطان نے دریافت کیا۔ "شیخ ملس قتال کے پاس" مسندِ عالی نے عرض کیا۔ شیخ ملس عرف رود (افغانستان) کے ایک مشہور بزرگ شیخ احمد سروانی کی اولاد سے تھے۔ سارے افغان ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے معتقد اور مرید تھے۔ غالباً اسی لئے مسندِ عالی نے ان کا نام لے دیا۔ ممکن ہے بیرم خاں کے بھی ان سے عقیدتمندانہ تعلقات ہوں۔ "جس شخص کو شیخ ملس نے پناہ دی اس کا قصور معاف ہے"۔ سلطان نے حسبِ معمول اس کو معاف کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد بیرم خاں سے وفا اور اخلاص کے موضوع پر دیر تک گفتگو رہی۔ جواہر قابل کا قدر دان تو تھا ہی شاید چاہتا ہو کہ بیرم خاں اس کی ملازمت میں آ جائے۔ اثنائے سخن میں سلطان کی زبان سے نکلا "ہر کہ اخلاص دارد خطا نمی کند"۔ بیرم خاں نے جواب دیا "چنیں است، ہر کہ اخلاص دارد خطا نخواہد کرد"۔ سلطان سمجھ گیا۔ ابھی تک ہمایوں کا مخلص اور خیر خواہ ہے اور اس کی ملازمت میں آنے پر رضامند نہیں۔

دربار برخاست ہونے لگا تو مسندِ عالی نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔

"حضور نے شیخ ملس کی خاطر ان کی جاں بخشی فرمائی ہے اب اس بندۂ درگاہ کی خاطر انہیں خلعت عطا ہو اور ابوالقاسم (سابق صوبیدار گوالیار) کے پاس خیمہ نصب کرنے کی اجازت مرحمت ہو"۔

سلطان نے مسکراتے ہوئے بیرم خاں کو خلعت عطا کیا اور ابوالقاسم کے پاس اس کا خیمہ نصب کرا دیا۔ ابوالقاسم ہمایوں کے وقت گوالیار کا قلعہ دار تھا۔ ہمایوں نے جب قنوج پر شکست کھائی تو شیر شاہ نے شجاعت خاں کو گوالیار پر چڑھائی کا حکم بھیجا تھا۔ شجاعت خاں وہاں پہنچا تو ابوالقاسم نے قلعے پر مدافعت کی تدبیر کی۔ دراصل شجاعت خاں بہادر تو تھا اس کے ساتھ ساتھ بات چیت اور جوڑ توڑ کا بھی اچھا ماہر تھا۔ اس نے ابوالقاسم سے کہا ہوگا "اب ہمایوں تو ہند سے جا چکا ہے۔ لڑنے کا کیا فائدہ۔ ہمارے سلطان کی ملازمت قبول کرے اور چین سے زندگی بسر کر۔" ابوالقاسم مان گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ سلطان خود گوالیار آئے تو ابوالقاسم اس کی خدمت میں قلعہ کی چابیاں پیش کرے گا اور شاہی ملازمت میں آ جائے گا۔ شجاعت خاں نے سلطان کے حضور عرضداشت بھیجی کہ ابوالقاسم قلعہ دار گوالیار نے مجھ سے صلح کر لی ہے۔ افغان قلعہ کے اندر جاتے ہیں اور مغل ہمارے لشکر میں آتے ہیں۔ حضور خود گوالیار تشریف لائیں تاکہ ابوالقاسم آپ کی خدمت میں قلعہ کی چابیاں پیش کرے اور آپ کی ملازمت میں آ جائے۔ چنانچہ ۹۴۹ھ میں سلطان نے لشکر سمیت گوالیار پہنچے۔ ابوالقاسم نے حاضر ہو کر قلعہ کی چابیاں پیش کیں اور ...

ملازمت میں آگیا۔ چنانچہ جب مسندِ عالی شاہی لشکر میں پہنچا تو ابوالقاسم کو لشکر میں پایا۔

مسندِ عالی نے دیکھا کہ بیرم خاں سلطان کی ملازمت میں آنے کے لئے تیار نہیں تو اس نے اس کا خیمہ ابوالقاسم کے پاس نصب کرانے کی سفارش کی۔ اس کا مطلب تھا کہ ابوالقاسم چونکہ سلطان کی ملازمت اختیار کر چکا ہے۔ اس لئے اس کی معیت میں بیرم خاں بھی اپنے خیالات بدل لے گا اور سلطان کی خدمت میں آجائے گا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا بیرم خاں نے ابوالقاسم کو بھی اپنا ہم خیال کر لیا۔ اور جب لشکر نے اجین سے کوچ کیا تو دونوں ایک روز موقع پا کر گجرات کی جانب بھاگ نکلے۔

ادھر سے شیر شاہ کا ایک قاصد چند سواروں کے ساتھ واپس آرہا تھا اسے ابوالقاسم کے فرار ہونے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ راستے میں ان دونوں مفروروں کو دیکھا تو ابوالقاسم کے تن و توش سے اندازہ کر لیا کہ وہ ابوالقاسم ہے اسے قتل کرنے کے درپے ہوا تو بیرم خاں نے کہا "ابوالقاسم میں ہوں یہ بے چارہ تو میرا خادم ہے۔ اس بے گناہ کو کیوں مارتے ہو؟" وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تو ابوالقاسم نے کہا "میں ابوالقاسم ہوں یہ میرا نوکر ہے۔ میری جان بچانے کی خاطر جھوٹ بول رہا ہے۔" کچھ دیر یہی تماشا رہا۔ دونوں ابوالقاسم بن کر ایک دوسرے کی جان بچانے کی کوشش میں لگے رہے۔ ابوالقاسم کا وقت آپہنچا تھا۔ وہ قتل ہوا اور بیرم خاں کو اکبر کے عہد میں عروج کی تمام منزلیں طے کرنے کے بعد پھر اسی قرب و نواح میں قتل ہونے کے لئے چھوڑ گیا۔

چہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
زما سلام رسانید ہر کجا ہستند

بیرم خاں صحیح و سلامت گجرات پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے شیخ جمالی کے بیٹے شیخ گدائی کی رہنمائی میں ہمایوں سے جا ملا۔ بعد میں اکبر کے عہد میں جب بیرم خاں خانخاناں ہوا اور سیاہ سفید کا مالک بنا تو شیخ عبدالوہاب، شیخ گدائی، اور راجہ متر سین اس کی خدمت حاضر ہوئے اور انعام و اکرام سے نوازے گئے مگر مسندِ عالی عیسیٰ خاں کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ اس کے دروازے پر جائیں۔ بیرم خاں نے احباب سے کہا بھی "مسندِ عالی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ کاش وہ میرے پاس آتے میں کم از کم سنبھل کا علاقہ تو ضرور انہیں جاگیر میں دے دیتا۔" اور اسی غرض سے کہا کہ یہ بات مسندِ عالی تک پہنچ جائے۔ دوستوں نے ان تک یہ بات پہنچائی تو اس مرد غیرت مند نے کہا "تقریباً ایک سو برس عزت اور خوشحالی سے بسر کئے ہیں۔ ہر طرح کا آرام پایا ہے۔ اب دل میں کوئی حسرت باقی نہیں۔ اس زندگی مستعار کے جو چند دن باقی ہیں۔ ان میں میں مغلوں کی ملازمت اختیار کر کے اپنے نام کو بٹا نہیں لگانا چاہتا۔ نہ میں نے کبھی اس خیال سے کسی پر احسان کیا تھا کہ اس کا معاوضہ وصول کروں گا۔"

یہ سب ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے وفا کے پتلے تھے اور اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو ساغرِ وفا سے سرمست تھا۔

قلعہ رہتاس خورد

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب سلطان خوشاب میں قیام پذیر ہوا تھا تو گکھڑوں کے سردار [illegible] سارنگ نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہارِ اطاعت نہیں کیا تھا۔ قدرتاً شیر شاہ [illegible] نے کہا تھا "میں ان گکھڑوں کے سینے میں ایسی میخ گاڑ دوں گا جو قیامت تک [illegible] میں یہاں ایسا قلعہ تعمیر کراؤں گا جسے یہ کبھی فتح نہیں کر سکیں گے اور جو نہ صرف ان کی بغاوت کو ختم کرے گا۔ بلکہ جس سے مغلوں کے ہند سے دوبارہ آنے کے امکانات بھی ختم ہو جائیں گے۔" سلطان کے یہ الفاظ قلعہ رہتاس (جہلم) کی بنیاد بنے۔ سلطان نے قبائل مذکور کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجا۔ رائے سارنگ تو مارا گیا۔ اس کی لڑکی اسیر ہوئی اور خواص خاں کو دے دی گئی۔ کہتے ہیں رائے سارنگ نے سلطان کی خدمت میں تھوڑی سی ملکی اور کمبل بھیجی کہ یہی ہمارے بسر اوقات ہے۔ بعض کہتے ہیں بتیر کی کھال اور چند تیر بھیجے کہ یہی ہمارا جامہ و دہن ہے۔ مگر شیر شاہ ان باتوں میں آنے والا نہ تھا۔ اس نے جب تک گکھڑوں کا زور بالکل توڑ نہ لیا انہیں نہ چھوڑا۔

اس دوران میں اس نے خود سارے علاقہ کا دورہ کر کے قلعہ کے لئے ایک موزوں مقام منتخب کیا۔ یہ مقام لاہور سے ۱۰۹ میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے کنارے دینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور لاہور سے کابل کو جانے والا راستہ اس کے پاس سے گزرتا تھا۔ یہ قلعہ تعمیر ہوا تو شیر شاہی عہد کے مضبوط قلعوں میں شمار ہونے لگا اور سلطان نے یہاں ۳۰ ہزار فوج متعین کی۔

یہ قلعہ خواص خاں کی زیرِ نگرانی تعمیر ہونا شروع ہوا۔ ٹوڈرمل کھتری جو بعد میں اکبر کے عہد میں راجہ ٹوڈرمل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا میرِ تعمیر تھا۔ قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تو رائے سارنگ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اس قلعہ کی تعمیر کے سلسلہ میں مزدوری کرے گا اسے جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ کوئی شخص ڈر کے مارے مزدوری نہ کرتا۔ ٹوڈرمل نے سلطان کے حضور میں کیفیت حال گزارش کی۔ وہاں سے حکم صادر ہوا "مصارف کی پروانہ کرو منہ مانگی اجرت دے کر کام لو۔ قلعہ ضرور تعمیر ہونا چاہیئے۔" ٹوڈرمل نے ایک اشرفی فی پتھر دینے کا اعلان کر دیا۔ گکھڑوں نے لالچ میں آکر مزدوری شروع کر دی۔ عادی ہو گئے تو میرِ تعمیر نے اجرت بتدریج کم کرنی شروع کی ایک اشرفی فی پتھر سے ایک روپیہ فی پتھر ہوئی۔ اور ہوتے ہوتے ایک ٹنکہ فی پتھر پر آ ٹھہری۔ اس طرح یہ قلعہ مکمل ہوا۔

خضر خاں

خوشاب سے واپسی پر اور گوالیار جانے سے پہلے سلطان کو بنگال جانا پڑا بات یوں ہوئی کہ خضر خاں نے جسے سلطان نے بنگال کا حاکم مقرر کیا تھا، وہاں جا کر پر پرزے نکالنے شروع کئے اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ شاید اس نے خیال کیا ہو کہ اس وقت سلطان بنگال سے لمبی مسافت پر ہے۔ اسے کون پوچھنے والا ہے پہلے اس نے سلطان محمود سابق شاہ بنگال کی دختر سے عقد کیا۔ پھر شاہان بنگال کے نقشِ قدم پر صدر نشینی کی رسم ادا کی۔ سلطان ان دنوں ٹھٹھہ کے قریب سیر و شکار میں مصروف تھا۔ اس کے پرچہ نویسوں نے اسے اطلاع دی تو فوراً ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے لشکر سمیت سیدھا بنگال جا پہنچا۔ عزائم کی راہ میں فاصلے کہاں حائل ہوتے ہیں، وہاں پہنچتے ہی خضر خاں کو معزول کر کے قید کر لیا اور اس کی جگہ قاضی فضیلت کو حاکم بنگال مقرر کر کے آگرہ لوٹ آیا۔ آگرہ سے پھر شجاعت خاں کی عرضداشت کے جواب میں گوالیار کا رخ کیا۔

رائے پورن مل

گوالیار کے قلعہ کی چابیاں اور وہاں کے قلعہ دار ابوالقاسم کو اپنی ملازمت میں لینے کے بعد سلطان کالنجر پہنچا۔ یہاں اس نے رائے پورن مل کو بلا بھیجا جو رائسین میں وہاں

کے نابالغ راجہ کی طرف سے امورِ سلطنت کا نگران تھا۔ پورن مل بہت بہادر اور رومان پسند طبیعت کا مالک تھا مگر مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھانے کا عادی تھا۔ جب چاہتا ان کے گھروں کو لوٹ لیتا اور ان کی بہو بیٹیوں کو اٹھا لیتا اور انہیں رقص و سرود پر مجبور کرتا۔ یہ مظلوم ایک بار سلطان ابراہیم لودھی کی خدمت میں اپنی مظلومیت کی خونچکاں داستان سنانے کے لئے پہنچے تھے مگر وہاں ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ان دنوں سلطان شیر شاہ نوجوان تھا اور سلطان ابراہیم کے بعض امرا کے ساتھ اس کے دربار میں آتا جاتا تھا۔ کہتے ہیں جب مظلوموں کی عرضداشت پر سلطان ابراہیم نے بے اعتنائی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا تو نوجوان فرید خاں نے دل میں عہد کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کبھی اسے فرمانروائی کا موقع دیا تو وہ پورن مل سے ان مظلوموں کا بدلہ ضرور لے گا۔

بھیا پورن مل اپنے کرتوت کے باعث خوف زدہ تو تھا ہی، سلطان کی طلبی کا پیغام پہنچا، تو جواباً کہلا بھیجا "میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ شجاعت خاں مجھے آکے لے جائے" اسے خیال ہوگا کہ شجاعت خاں کے واسطہ سے اس کی جان بچ جائے گی۔ سلطان نے شجاعت خاں کو بھیج دیا۔ وہ بات چیت کا ماہر تھا اسے ساتھ لگا لایا۔ بھیا پورن مل کی ایک محبوبہ تھی جو شاعرہ بھی تھی۔ رتناولی اس کا نام تھا وہ شجاعت خاں سے کہنے لگی "اب رائے کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے جب تک وہ واپس نہیں آئیں گے میں کھانا نہیں کھاؤں گی اور قلعے کے اس برج میں بیٹھی ان کی راہ دیکھتی رہوں گی" شجاعت خاں نے اسے تسلی دی۔

پورن مل اپنے ساتھ چھ ہزار بانکے جوان سوار سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا۔ سلطان نے اسے ایک سو ایک گھوڑے اور اتنے ہی جوڑے عطا کئے۔ اگرچہ مورخوں نے سلطان اور رائے کی اس پہلی ملاقات کے حالات تفصیل سے نہیں لکھے مگر بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان نے ضرور مسلمانوں پر اس کے مظالم کی بات چھیڑی ہوگی اور اسے ایسی حرکات سے باز رہنے کی ہدایت کی ہوگی اور اس سے وعدہ لیا ہوگا کہ آیندہ وہ ایسے افعالِ شنیعہ کا مرتکب نہیں ہوگا۔ رائے پورن مل نے اپنے بھائی چتر بھوج کو سلطان کی خدمت میں چھوڑا۔ سلطان نے کاگرون سے سارنگ کی جانب کوچ کیا اور پورن مل واپس رائسین چلا گیا۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ رائے نے مسلمانوں پر ظلم کرنے کا شیوہ ترک نہ کیا۔ جب تک سلطان اس نواح میں رہا وہ خاموش رہا جونہی سلطان آگرہ واپس آیا رائے نے دوبارہ وہی ابلیسی چکر چلایا اور پہلے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر مظالم شروع کر دیئے۔ سلطان کچھ مدت آگرہ اور دہلی میں مصروفِ انتظام رہا۔ پھر بنگال اور بہار کے دورے پر نکل گیا۔ تمام ملک میں امن و امان بحال کر کے اصلاحات نافذ کیں، سڑکیں بنوائیں، سرائیں بنوائیں، قلعے تعمیر کرائے، مالیہ کا نیا نظام رائج کیا۔ کہتے ہیں اس دورہ میں اس پر بخار کا سخت حملہ ہوا۔ بخار کے دوران میں اسے محسوس ہوا کہ اس کی بیماری کا باعث یہ ہے کہ اس نے رائے پورن مل کے مظالم کا تدارک نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ مسلمان مظلومین اس سے پہلے سلطان کی آمد سے اس کے عدل اور دینداری کے باعث بہت سی توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہوں اور ان میں سے کم محتاط کے منہ سے یہ باتیں بھی نکل جاتی ہوں کہ "سلطان شیر شاہ آ لے، پورن مل کو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے گی"۔ جب رائے پورن مل نے سلطان کی تسلی کر دی اور وہ واپس چلا گیا تو اس کے بعد رائے نے منتقمانہ جذبہ کے ماتحت اور شدت سے مظالم ڈھانے شروع کر دیئے ہوں۔ پھر ان مظلوموں کے سینوں سے جو آہیں نکلیں۔ انھوں نے عرشِ الٰہی کو ہلا دیا ہو۔ بہرکیف اس نے بخار کے دوران میں دوبارہ عہد کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت دے تو وہ پورن مل کے مظالم کا ہمیشہ کے لئے سدباب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا سن لی اور وہ جلد ہی صحت یاب ہو کر واپس آگرہ پہنچ گیا۔

احمد یادگار مولفِ "تاریخ افاغنہ" لکھتا ہے کہ آگرہ میں سلطان کی خدمت میں قصبہ بیگرام کے سردار حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا کہ رائے پورن مل نے ہمارے دو تین گاؤں تاراج کر دیئے ہیں اور ہماری عورتوں اور بچوں کو اٹھا لے گیا ہے۔ ہم شاہ دین پناہ سے فریاد کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس ظالم کے ظلم سے نجات دلائے۔

سلطان بھڑک اٹھا۔ امرا سے مشورہ کر کے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اس دوران میں سلطان کو قلعہ رہتاس گڑھ سے خواص خاں کی عرضداشت پہنچی کہ اس میں اور ہیبت خاں نیازی میں ان بن ہو گئی ہے۔ سلطان ان میں سے ایک کو اپنے پاس بلا لیں تاکہ انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ بات یہ تھی کہ جب سلطان کو اچانک خضر خاں حاکم بنگال کی گوشمالی کے لئے جانا پڑا تھا اس وقت وہ قلعہ رہتاس میں امیر الامرا خواص خاں، اعظم ہمایوں ہیبت خاں نیازی اور دیگر متعدد امرا کو چھوڑ گیا تھا۔ قلعہ کا انچارج خواص خاں تھا۔ اعظم ہمایوں لودھیوں کے زمانہ کا بڑا سردار تھا وہ امیر الامرا کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے درمیان کشمکش سی پیدا ہو گئی اور انتظام میں خلل واقع ہونے لگا۔ خواص خاں نے ایک وفادار نائب کی طرح تمام حالات سلطان کی خدمت میں بے کم و کاست لکھ دیئے اور ساتھ ہی مسئلہ کا حل بھی تحریر کر دیا۔ سلطان کو اس وقت اچھے جرنیلوں کی ضرورت تھی۔ اس نے خواص خاں اور اس کے ساتھیوں عیسیٰ خاں نیازی اور حمید خاں کاکڑ وغیرہ کو اپنے پاس بلا لیا اور اعظم ہمایوں ہیبت خاں کو پنجاب کی حکومت سپرد کر کے اسے ملتان پر حملہ کرنے کا حکم بھیج دیا۔

آگرہ سے نکلنے پر یہ ظاہر کیا گیا کہ سلطان بدایوں کے نواح میں شکار کھیلنے جا رہے ہیں وہاں پہنچے تو چند روز شکار کھیلا۔ وہیں اپنے پسر جلال خاں کو جو شجاعت میں نام پیدا کر چکا تھا، طلب کر کے لشکر کے آگے آگے چلنے کا حکم دیا اور رائسین کی جانب کوچ کیا۔ ابھی دو تین میل آگے گئے تو سلطان پھر بخار میں مبتلا ہو گیا مگر اس نے پیاسنہ ہدری رکھ، گھوڑے کی سواری نہ کر سکا تو پالکی میں بیٹھ گیا حالانکہ طبیب نے آرام کا مشورہ دیا مگر نہ مانا۔

الغرض سلطان بخار کی حالت میں سفر کرتا ہوا رائسین کے نواح میں جا پہنچا۔ پورن مل نے سنا تو بھائی کو استقبال کے لئے بھیجا اور اس کے ذریعے سے سات ہزار روپیہ اور سو زنجیر فیل بطور نذرانہ پیش کئے مگر اس بار سلطان اس کی چاپلوسی میں نہ آیا بلکہ اس کے بھائی سے صاف صاف کہا "بھائی سے جا کر کہہ دو کہ جن مسلمان عورتوں اور بچوں کو اس نے قید کر رکھا ہے۔ انہیں فوراً رہا کر دے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے"۔ چتر بھوج نے عرض کی "لوگ ہم پر غلط الزامات لگاتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی مسلمان عورت نہیں"۔ سلطان نے غصہ سے کہا "تو جا کر بھائی تک میرا پیغام پہنچا دے"۔ چتر بھوج روانہ ہوا تو اس کے پیچھے پیچھے خود سلطان بھی رائسین پہنچ گیا۔ پورن مل نے کہلا بھیجا "چالیس لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کرتا ہوں، میری جان بخشی کی جائے"۔ "ہمیں تمہارے روپے سے غرض نہیں"۔ سلطان نے جواب دیا "ہم تو مظلوموں کی دادرسی کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد ان مسلمان عورتوں اور بچوں کو رہائی دلانا ہے جو تمہاری قید میں ہیں۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمیں قلعہ کی تلاشی لینے دو۔ اگر وہاں سے کوئی مسلمان عورتیں یا بچے برآمد نہ ہوئے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور تمہارا قلعہ تمہیں واپس کر دیا جائے گا"۔ مگر پورن مل نہ مانا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ کئی ماہ اسی طرح گزر گئے۔ افغان اس طرح پڑے پڑے تنگ آ گئے۔ ایک روز کچھ افغان بیٹھے تھے کہ ان میں پورن مل کے سپاہیوں کی بات چل نکلی۔ کسی نے کہا "راجپوتوں کا کیا کہنا۔ بہت بہادر لوگ ہیں۔ یہی دیکھئے ہر روز قلعہ کی فصیل پر آ کر للکارتے ہیں، مگر کسی افغان کو آگے جانے کی ہمت نہیں پڑتی"۔ بعض افغان اس پر بھڑک اٹھے اور اسی جوش میں طے پایا کہ کل سلطان کی اجازت

کے بغیر ہی قلعہ پر حملہ کر دیا جائے۔

اگلی صبح زیادہ سے زیادہ افغان سوار قلعہ کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور پورن مل کو پیغام دیا "آپ کے سپاہی ہر روز قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر ہمیں طعنے دیتے ہیں۔ آج ہم ان سے دو دو ہاتھ کرنے آئے ہیں۔ انہیں ذرا نیچے بھیجو" پورن مل نے چیلنج قبول کر لیا۔ سے اپنے سپاہیوں کی تعداد پر گھمنڈ تھا اور اس کے سپاہی تھے بھی دلیر، بہادر اور جنگ آزمودہ۔ اس نے منتخب دستے نیچے بھیجے اور خود قلعہ کے دروازہ کے اوپر آکر بیٹھ گیا۔ پہر دن چڑھے تک زور دار مقابلہ رہا۔ اس کے بعد افغان زور ڈال کر راجپوتوں کی صفوں میں گھس آئے۔ دونوں طرف کے بہادر داد شجاعت دیتے رہے۔ آخر افغانوں نے راجپوتوں کو قلعہ کے دروازہ تک پیچھے دھکیل دیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر راجپوت پھر سنبھل گئے اور کچھ دیر مقابلہ کیا۔ مگر افغانوں نے ایک اور زور دار حملہ کیا تو راجپوتوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر قلعہ کے اندر چلے گئے۔ افغان لشکر میں واپس آگئے۔

سلطان نے سنا تو دل میں خوش ہوا مگر بظاہر ضبط کی خلاف ورزی پر انہیں سخت سست کہا۔ پھر چند روز بعد انہیں بلایا، ان کی بہادری کی تعریف کی اور انہیں منصب اور جاگیریں عطا کیں۔ دل میں سمجھ چکا تھا کہ سپاہی اس صورتِ حال سے تنگ آگئے ہیں۔ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا "جو کچھ تم نے کیا خوب کیا۔ اب میری تدبیر بھی دیکھو" اس کے بعد لشکر اور باہر سے جتنا تانبا اور پیتل ظروف وغیرہ کی شکل میں دستیاب ہوا اسے اکٹھا کیا پھر اسے گلا کر توپیں تیار کرائیں۔ توپوں کو مناسب موقعوں پر نصب کرا کے گولہ باری کی تو اس سے قلعہ کی دیواروں میں جا بجا رخنے پڑ گئے۔ چھ ماہ کے طویل محاصرہ نے وہ کام نہیں کیا تھا جو ایک دن کی گولہ باری نے کیا۔ پورن مل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے سلطان کی خدمت میں عرض کر دی کہ میں اطاعت پر آمادہ ہوں۔ مجھے ملازمت میں آنے کی اجازت مرحمت ہو۔ سلطان نے اجازت دے دی۔ بعض مورخوں نے اسے اس کی جان کے تحفظ کی ضمانت کہا ہے اور بعض نے اسے عہد نامہ سے تعبیر کیا ہے۔ نہ یہ ضمانت تھی نہ عہد نامہ۔ اس نے کہا "میں ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہوں" سلطان نے کہا کر لو" اگر پورن مل نے یہ سمجھا تھا کہ اس نے اس حیلہ سے سلطان سے تحفظ کی ضمانت یا عہد نامہ حاصل کر لیا ہے۔ تو اس میں سلطان کا کیا قصور؟ سلطان اس سے کمزور نہ تھا نہ اسے اس کے قلعہ کی اشد ضرورت تھی۔ نہ وہ قلعہ ناقابلِ تسخیر تھا نہ مظلوم مسلمان عورتوں اور بچوں کا قضیہ ابھی طے ہوا تھا جس کی خاطر سلطان نے وہ مہم اختیار کی تھی۔ آخر سلطان کیوں اسے ضمانت یا عہد نامہ دیتا۔ چونکہ سلطان کی اکثر سوانح عمریاں مغلوں کے عہد حکومت میں تحریر ہوئی ہیں جو اس کے دشمن تھے اس لئے اسے عہد شکن ظاہر کر کے خواہ مخواہ اس کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

راجہ نے کہا "شہزادہ جلال خان (بعض کے نزدیک شہزادہ عادل خان) اور امیر قطب خان مجھے قلعہ کے اندر سے آکر ساتھ لے جائیں" سلطان نے انہیں بھیج دیا۔ امیر قطب خان قلعہ کے اندر گیا اور وہ معہ اپنے سپاہیوں اور بال بچوں سمیت آگیا۔ سرداروں نے پوچھا "اس کا خیمہ کہاں نصب کیا جائے؟" سلطان نے فرمایا "میں نے پہلے ہی دن سے اس کے لیے لشکر کے وسط میں جگہ تجویز کر رکھی ہے۔ اسے وہیں اتارو" سلطان کا یہ فقرہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ ابھی اس کے متعلق فیصلہ معلق تھا۔ پہلے سلطان نے اسے اپنے قابو میں کر لیا تاکہ اس کے متعلق وہ جو بھی فیصلہ کرے اس پر عمل درآمد کرا سکے۔ ممکن ہے سلطان کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ اسے کوئی سخت سزا نہ دے بلکہ اس طرح بے دست و پا کر دے کہ آئندہ وہ کسی مسلمان پر ظلم نہ کر سکے۔

جب پورن مل آکر شاہی لشکر میں قیام پذیر ہوا تو لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ سلطان نے اسے عہد نامہ دے دیا ہے اور معاف کر دیا ہے اور وہ سلطان کی ملازمت میں آگیا ہے۔ اس خبر سے مظلوم مسلمان بہت پریشان ہوئے کہ جب کبھی اس ظالم کا یوم حساب قریب آتا ہے یہ کسی نہ کسی طرح حیلوں بہانوں سے بچ نکلتا ہے۔ ایک روز ان دیہات کی مسلمان عورتیں جو پورن مل کے ظلم و ستم کا شکار رہ چکی تھیں، سلطان کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئیں۔ سلطان نے حسبِ معمول نہایت توجہ سے ان کی بات سنی۔ انہوں نے سلطان کے سامنے رو رو کر پورن مل کے مظالم بیان کیے کہ کس طرح وہ ان کے بیویوں، بچوں اور بھائیوں کو قتل کرا چکا ہے اور ان کی لڑکیوں کو کنیزیں بنا کر لے گیا ہے اور ان سے رقص کراتا ہے "ہم نے مدتوں اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کی کہ کوئی بندۂ خدا آئے اور اس ظالم کو اس کے ظلموں کی سزا دے۔ پچھلے برس آپ تشریف لائے مگر اس نے لمبے چوڑے وعدوں سے آپ کو ٹال دیا۔ آپ کے جانے کے بعد اس نے ہم پر پہلے سے زیادہ مظالم ڈھانے شروع کر دئے۔ اب آپ تشریف لائے تو ہمیں امید تھی کہ آپ جو عدل میں اس قدر مشہور ہیں، اس بار ضرور ہماری دادرسی فرمائیں گے اور ہمیں اس ظالم کے ظلم سے نجات دلائیں گے مگر ہم سنتے ہیں کہ آپ نے اسے اپنی ملازمت میں لے لیا ہے۔ اگر آج یہاں ہمیں انصاف نہ ملا تو کل داورِ محشر کے حضور ہم آپ کی دامنگیر ہوں گی"۔

سلطان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وہ میری ملازمت اختیار کر چکا ہے" سلطان نے کہا "اب میں اسے کیا کہوں؟ کیا آپ کے ملازموں کے خلاف ان کے جرائم کے سلسلہ میں عدالتی کارروائی نہیں کی جا سکتی؟" عورتوں نے بے باکی سے پوچھا "ہمارا دعوےٰ علماء کے سامنے پیش کیا جائے اور ان سے اس بارہ میں فتویٰ طلب کیا جائے"۔ سلطان نے قانونِ شریعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ معاملہ شیخ خلیل اور میر سید رفیع الدین کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے جملہ حالات سن کر پورن مل اور اس کے مددگاروں کو قتل کر دینے کا فتویٰ دیا۔ اس فتوے کے بعد سلطان نے عیسیٰ خان حاجب کو حکم دیا کہ وہ اگلی صبح پورن مل کی لشکر گاہ کا محاصرہ کر لے۔ راجپوتوں نے دیکھا تو راجے کو اطلاع دی کہ افغان لشکر چاروں طرف سے بڑھ رہا ہے۔ تم بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ" راجے نے کہا پھر بہادری کے شوق پڑھتا ہوا خیمہ کے اندر گیا اور تلوار سے اپنی محبوبہ رتناولی کا سر تن سے جدا کر کے اس کی زلفوں کو اپنے ہاتھ کے گرد لپیٹے باہر آگیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "اب تو عزت بچانے کا یہی ایک طریق ہے" ساتھیوں نے بھی اپنے سردار کی مثال پر عملدرآمد کرتے ہوئے اپنی اپنی عورتوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیا اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو کر باہر نکل آئے۔ اتنے میں افغان لشکر بالکل قریب آگیا۔ پورن مل اور اس کے سپاہیوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا اور سب کے سب کٹ مرے۔

سلطان نے شہباز خان شروانی کو رائسین کا حاکم مقرر کیا اور واپس آگرہ پہنچ کر برسات کا موسم وہیں گزارا۔

ملو خاں

ملو خاں سلاطین خلجیہ مالوہ کے غلاموں میں سے تھا۔ کسی نہ کسی طرح طاقت حاصل کر لی اور قادر شاہ کے لقب سے مانڈو، اجین اور سارنگ پور پر حکومت کرتا رہا۔ ہمایوں کو بل بار شکست دینے کے بعد جب شیر شاہ نے اس نواح کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو مکتوبات تحریر کیے کہ وہ اس کے بیٹے قطب خان کی مدد کریں تاکہ وہ ہمایوں کے تعاقب

میں کامیابی سے عمل بر پا کر سکے تو ملو خاں نے شیر شاہ کو گستاخانہ جواب دیا اور اسے اس طرح خط لکھا جیسے شیر شاہ اس سے کم تر حیثیت کا آدمی ہو۔ قطب خاں کو مطلوبہ امداد نہ ملی اور وہ مغل لشکر کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ شیر شاہ کو جوان بیٹے کی موت کا بہت قلق ہوا اور اسے قدرتاً یہ خیال ہوا کہ اگر یہ لوگ اس کی مدد کرتے تو شاید وہ مارا نہ جاتا۔ ہمایوں کو دوبارہ قنوج میں شکست دینے کے بعد بعض ضروری امور طے کر کے سلطان نے گوالیار کی جانب کوچ کیا۔ وہاں سے گاگرون گیا۔ گاگرون سے سارنگ پور پہنچا۔ یہاں ملو خاں سلطان کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ نہ اس کے ساتھ کوئی لشکر تھا اور نہ خیمہ گاہ اور خدام۔ شیر خاں نے شجاعت خاں کو استقبال کے لئے بھیجا اور دربارِ عام منعقد کر کے اسے باریابی کی اجازت دے دی۔ اثنائے سخن میں ملو خاں سے دریافت کیا "آپ نے اپنے خیمے کہاں نصب کئے ہیں؟" سلطان کا خیال تھا کہ وہ خود مختار فرمانروا ہے۔ جاہ و حشم اور امرا اور لشکر کے ساتھ شان سے آیا ہو گا مگر جب اس نے یہ جواب دیا کہ "فرودگاہ من خاک آستانہ شما است" تو سلطان اس کے انکسار سے بہت متاثر ہوا اور اس کی گزشتہ حرکات کے باوجود فوراً حکم دیا کہ اس کے لئے اس کی شان کے شایاں سرخ سراپردہ نصب کیا جائے۔ ملو خاں نے بھی یہ ظاہر کیا کہ وہ سلطان کی خدمت میں آنے کے لئے تیار ہے۔ سلطان جانتا تھا کہ ابھی ملو خاں کو اس کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے اپنی پوری فوجی طاقت دکھا دے تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ چنانچہ جب سارنگ پور سے اجین کی جانب کوچ ہوا تو امرا کو حکم ہوا کہ وہ جنگی تیاری کے ساتھ روانہ ہوں۔ سلطان خود بھی ہتھیار سجا کر سپر کندھے پر ڈالے سوار ہوا۔ ملو خاں ساتھ ساتھ تھا۔ نصف کوس گئے تو امرا اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ظاہر ہوئے اور سلطان کو سلامی دینے لگے۔ سلطان نے ایک سردار کو ملو خاں کے ساتھ مقرر کر دیا کہ وہ اسے ہر امیر کا جو سلامی کے لئے آئے نام بتاتا جائے۔ پہلے جلال خاں جلو کا لشکر نمودار ہوا۔ ہر سپاہی سرتاپا آہن میں غرق تھا اور جلال خاں جلو ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ان کی قیادت کر رہا تھا۔ اسی طرح باری باری تمام امرا اپنے اپنے سجے ہوئے لشکروں کے ساتھ آتے اور سلامی دے کر پاس سے گزرتے رہے۔ گرمی کا موسم تھا۔ سپاہیوں کو زرہ بکتر میں ملبوس دیکھ کر ملو خاں حیران ہوا۔ پوچھنے لگا "اس موسم میں جب معمولی کپڑے بھی تن پر بار ہیں، زرہ بکتر پہننا چہ معنی دارد؟" سرداروں نے کہا "جب ہم بنگال سے آئے ہیں اسی حالت میں ہیں اور ہمیں تو زرہ بکتر ہی میں راحت ملتی ہے۔" رستے میں ہر منزل پر قلعہ خام بنتا، خندقیں کھدتیں اور لشکر اس طرح قیام کرتا جیسے میدانِ جنگ میں ہو۔ بسا اوقات سلطان خود بھی سپاہیوں کا ہاتھ بٹاتا۔ ملو خاں کی حیرت بڑھتی گئی۔ پھر سلطان نے اسے اپنی زندگی کے حالات سنائے کہ کس طرح وہ شروع ہی سے محنت اور جفاکشی کا عادی رہا ہے۔ اجین پہنچے تو سکندر خاں میانی حاکم سیواس نے حاضر ہو کر اطاعت قبول کی۔

سلطان نے مانڈو کی ولایت شجاعت خاں کو عنایت کی اور کالپی ملو خاں کو مرحمت فرمائی۔ تقریباً اس وقت کے تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ ملو خاں سلطانی لشکر کی سخت کوشی کی زندگی سے گھبرا گیا۔ اس لئے وہاں سے بھاگا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملو خاں خود مختار فرمانروا تھا۔ جب وہ سلطان کی خدمت میں اس قدر عجز و انکسار سے حاضر ہوا تو اسے امید تھی کہ سلطان اس کی سابقہ کوتاہیوں کے باوجود اس کی قدر کرے گا اور اسے اس کے مرتبے کے مطابق ولایت عنایت فرمائے گا۔ شاید اسے امید ہو کہ اس کا ملک اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا۔ مگر جب سلطان نے اس کے سابقہ علاقہ کی بجائے اسے کالپی کا جاگیردار بنا دیا تو وہ ناامید اور مایوس ہو گیا اور اسی باعث وہاں سے بھاگ نکلنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ سلطان مردم شناس تو تھا ہی اس کے چہرے سے اس کی نیت تاڑ گیا۔ شجاعت خاں کو حکم دیا کہ وہ اس کی نگرانی رکھے۔ ملو خاں نے شجاعت خاں سے کہا کہ اس کے پاس باربرداری کا انتظام نہیں کہ اپنے اہل و عیال کو کالپی لے جائے۔ شاید اعتبار جمانے کے لئے کہا ہو۔ سلطان نے اس کے لئے سو اونٹ اور سو خچر کا حکم دے دیا۔ ملو خاں نے ایک رات اپنے شتربانوں اور سائیسوں کو شراب پلائی [illegible] بھی ساتھ شامل ہو گئے ہوں گے جب وہ سب مدہوش ہو گئے تو خود موقع پا کر فرار ہو گیا اور قلمرو گجرات میں پہنچ گیا۔ سلطان کو صبح خبر ملی تو شجاعت خاں پر سخت [illegible] ہوا اور اس سے ولایت مانڈو واپس لے کر اسے سرکار سیواس پر بھیج دیا۔ اجین [illegible] گجراتی کو دیا اور سارنگ پور عالم خاں کو۔ یہ دونوں پہلے شاہ گجرات کی خدمت میں تھے دریا خاں وزیر تھا اور عالم خاں امیر۔ رنتھمبور کے رستہ میں سکندر [illegible] نے بھاگ جانے کی کوشش کی مگر گرفتار ہوا۔ رنتھمبور پہنچا تو وہاں کا حاکم عثمان [illegible] حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا۔ سلطان نے وہ قلعہ اپنے بڑے بیٹے عادل خاں کو [illegible] کیا اور وہاں سے آگرہ واپس آ گیا۔

شجاعت خاں

شجاعت خاں کا اصل نام شیخ اسماعیل سوری تھا۔ سلطان کا جوانی کے دنوں کا ساتھی تھا۔ بنگال کی لڑائی میں شجاعت خاں کا لقب پایا۔ شیر شاہی دور کے [illegible] میں شمار ہوتا ہے۔ اپنی دلیری اور وفا کے لئے مشہور تھا۔

ملو خاں کے اس کی نگرانی سے بھاگ جانے کے باعث اس سے ملک مانڈو واپس لے کر اسے سرکار سیواس پر بھیجا گیا تھا۔ سیواس کا علاقہ [illegible] کوشش کرتا ہوا گرفتار ہو چکا تھا۔ سلطان اپنے لشکر سمیت [illegible] واپس آ گیا تو سکندر خاں کے بھائی نصیر خاں نے اس کا بدلا لینے کی خاطر چھ ہزار سوار اور دو صد ہاتھیوں کے ساتھ شجاعت خاں پر حملہ کر دیا۔ شجاعت خاں کے پاس صرف دو ہزار سوار تھے۔ نصیر خاں کی کوشش یہ تھی کہ اسے زندہ گرفتار کرے تاکہ اس کے عوض اپنے بھائی کو واپس لے سکے۔ سکندر خاں کے تین آدمیوں سید عمر، سید طاہر اور کون کرن نے یہ کام سرانجام دینے کی قسم کھائی۔ جنگ شروع ہوئی تو یہ تینوں سیدھے شجاعت خاں پر حملہ آور ہوئے۔ ایک نیزہ سے حملہ آور ہوا جس سے شجاعت خاں کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ دوسرے نے تلوار سے وار کیا اور تیسرے نے موقع پا کر اس کے سر کے بال پکڑ لئے مگر شجاعت خاں نے تلوار مار کر اس کا ہاتھ قلم کر دیا اور اپنے بال اس کی گرفت سے چھڑا لئے۔ اس کے بعد باقی دو کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کشمکش میں شجاعت خاں کا علم گر چکا تھا اور بعض سپاہی بھاگنا شروع ہو گئے تھے۔ شجاعت خاں نے آزاد ہو کر پھر اپنا علم ایستادہ کر دیا۔ جھنڈا کھڑا دیکھ کر بھاگتے ہوئے سپاہی واپس مڑے اور دوبارہ اس کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اب جو شجاعت خاں نے زوردار حملہ کیا تو نصیر خاں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ میدان شجاعت خاں کے ہاتھ رہا، اور غنیم کے دو صد ہاتھی بھی اس کے قبضہ میں آ گئے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ملو خاں جو گجرات بھاگ گیا تھا وہاں سے امدادی فوج لے کر اپنے سابقہ ملک مالوہ کے دار الحکومت مانڈو پر حملہ آور ہوا۔ حاجی خاں حاکم مانڈو مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو کے بیٹھ گیا۔ اگرچہ شجاعت خاں کے زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے مگر وہ فوراً حاجی خاں کی مدد کو پہنچا اور ملو خاں پر حملہ کر کے

سے سخت شکست دی. ملو خاں بھاگ کر گجرات واپس چلا گیا۔

سلطان نے شجاعت خاں کو اس بہادری اور جانبازی کے صلہ میں بارہ ہزار کا منصب، شجاع دل خاں کا خطاب اور اجین سارنگ پور اور مانڈو وغیرہ کے علاقے عطا کیے۔ مالوہ کے بعض دیگر اضلاع اس کے عزیزوں کو بطور جاگیر عنایت ہوئے اور اس طرح تقریباً تمام ملک مالوہ اس کے قبضہ میں آ گیا۔ اس علاقہ کا موجودہ شہر شجاعلپور، جو اصل میں شجاع دل پور تھا۔ اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ بعد میں اس کا بیٹا باز بہادر، جو اپنی شجاعت اور رومانی طبیعت کے لئے مشہور ہوا۔ یہاں کا سلطان بنا۔

ملتان پر حملہ

جب سلطان نے رائسین کی طرف کوچ کیا تھا انہی دنوں اس نے رہتاس سے خود خواص خاں کی عرضداشت موصول ہونے پر اسے اپنے پاس بلا لیا تھا اور ہیبت خاں نیازی کو پنجاب کی حکومت سونپ کر اسے حکم دیا تھا کہ وہ نواح ملتان کو سرکشوں سے صاف کرے۔ ان دنوں فتح خاں نے وہاں بڑا اودھم مچا رکھا تھا اور تمام ملک ویران کر دیا تھا۔ ہیبت خاں فتح خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور پاکپتن تک پہنچ گیا۔ فتح خاں نے بھاگ جانے کی کوشش کی مگر بل وعیال ہمراہ ہونے کے باعث بھاگ نہ سکا۔ ایک چھوٹے سے قلعہ فتح پور نامی میں پناہ لی۔ ہیبت خاں نے محاصرہ کر لیا۔ تیسرے روز حضرت بابا گنج شکرؒ کے بیٹے شیخ ابراہیم کی وساطت سے ہیبت خاں کے سامنے پیش ہو گیا اور معافی کا طلب گار ہوا۔ ہیبت خاں نے کہا "میں سلطان کا ملازم ہوں۔ اپنے آپ کچھ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔ آپ کے متعلق سلطان کی خدمت میں عرضداشت بھیج دیتا ہوں وہاں سے جو حکم ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا۔" یہ کہہ کر اسے حراست میں لے لیا۔ اس سے سلطان کے رعب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہیبت خاں جیسے رتبے کے امیر جو سلطان سکندر اور سلطان ابراہیم کے درباروں میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اپنے آپ کچھ کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ ہیدو نامی ایک بلوچی سردار نے فتح خاں کی گرفتاری کی خبر اس لشکر تک پہنچائی اور اس کے لشکر کی کمان سنبھال کر ہیبت خاں کا مقابلہ کرنا چاہا مگر دو روز بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ ہیبت خاں نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور اس کو از سر نو آباد کرنے کے اقدامات میں لگ گیا۔ ساتھ ہی اپنی فتوحات کا مفصل بیان سلطان کی خدمت میں ارسال کیا۔ سلطان نے اس کی خدمت کے عوض اسے اعظم ہمایوں کا خطاب اور سرخ سراپردہ عطا کیا اور ملتان شہر کو بہت سے محصولات سے مستثنیٰ قرار دے دیا تاکہ وہ جلد آباد ہو۔ بعد میں یہ علاقہ فتح جنگ خاں کے سپرد کیا جس نے اس کا بڑا اچھا انتظام کیا اور اسے جلد بارونق شہر بنا دیا اور اس علاقہ میں سلطان کے نام پر ایک نیا شہر شیر گڑھ آباد کیا جو آج تک موجود ہے۔

انتظامِ مملکت

بعض لوگ اچھے فاتح ہوتے ہیں، بعض اچھے منتظم ہوتے ہیں، مگر شیر شاہ میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔ وہ فتوحات کے ساتھ ساتھ ہی ملک کا انتظام کرتا چلا جاتا تھا وہ محض انتظام ہی نہیں کرتا تھا بلکہ ہر شعبہ میں اصلاحات بھی نافذ کرتا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اپنی ابتدائی زندگی میں اس دور کی حکومت کی خامیوں اور انہیں دور کرنے کے طریقوں کے متعلق پورا غور و فکر کیا تھا اور اس نے ذہن میں اسی وقت سے پورا پروگرام تھا کہ اگر اسے موقع ملا تو وہ فلاں شعبہ میں فلاں اصلاح نافذ کرے گا۔ فلاں کام اس طرح کرے گا۔ فلاں خامی کا سدباب یوں کرے گا وغیرہ ورنہ پانچ برس میں ایسی اصلاحات ـــــــ جن میں سے بیشتر بغیر تغیر کے آج تک باقی رہی ہوں، سرسری طور سے نہیں کی جا سکتیں۔

اقبال اپنی معرکۃ الآرا نظم مسجد قرطبہ میں فن کی ہمہ گیری کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

کیوں؟ اس لئے کہ:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

اگر اس نظریہ سے دیکھا جائے تو شیر شاہ کے نقوش میں وہ "رنگِ ثباتِ دوام" نظر آتا ہے جو اس برعظیم کے کسی اور فرمانروا کو نصیب نہیں ہوا۔ اس کی بنائی ہوئی سڑکیں آج تک موجود ہیں۔ اس کا بنایا ہوا نظام مال گزاری آج تک باقی ہے۔ اس کے انتظامیہ کے اصول اب تک چلے آ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کسی کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو شیر شاہ کے دشمنوں نے بھی اس کی پیروی کی اور اس کی تقطیع کی ہوئی راہ پر چلنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا۔

سول انتظام اس نے تمام ملک محروسہ کو ۴۷ قسمتوں اور ایک لاکھ ۱۳ ہزار (۱۱۳۰۰۰) پرگنوں میں منقسم کیا۔ پرگنہ آج کل کی تحصیل کے مطابق سمجھئے اور ہر پرگنہ میں مندرجہ ذیل سرکاری عہدیدار مقرر کئے۔ عامل، شقدار، فوطہ دار (خزانچی)، کارکن (فارسی نویس)، کارکن (ہندی نویس)، چودھری، قانون گو۔ ایک (پٹواری) چند پرگنوں کی ایک سرکار بنتی تھی۔ ہر سرکار میں حسب ذیل تین عہدیدار تھے:۔

صدر شقدار۔ صدر منصف۔ صدر قانون گو۔

ہر سرکار پر ایک حاکم مقرر تھا جو صوبہ کہلاتا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نظام تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ نہ صرف آج تک موجود ہے بلکہ بعض عہدیداروں کے وہ نام بھی اب تک باقی ہیں۔

اس نے مالیہ کا نیا نظام نافذ کیا۔ ٹوڈرمل جو بعد میں اکبر کے زمانہ میں مشہور ہوا۔ اسی کا ملازم تھا اور اس کا نظام مالیہ وہی تھا جو اس نے شیر شاہ کی زیر ہدایت تیار کیا تھا اور جو اس کے حکم کے ماتحت پہلے نافذ ہو چکا تھا۔ سلطان نے زمین کی از سر نو پیمائش کرائی اور اس کے لئے مستقل عملہ رکھا۔ جمعبندی کی فردیں تیار کرائیں۔ جریبوں اور گزوں کی مختلف لمبائیوں کی بجائے ان کے سرکاری معیار مقرر کر دیئے (جریب = ۵۵ گز اور گز = ۳۲ انچ)۔ نئی پیمائش اور نئی جمعبندیوں کے حساب سے خراج بحق دیوان (سلطنت) وصول کرنا شروع کیا۔ وصولی کے وقت خاص احتیاط کی جاتی تھی کہ مقدم کاشتکاروں کو تنگ نہ کریں۔ قانونگو اور صدر قانونگو بڑی ذمہ داری کے عہدے تھے۔ چودھری اور قانونگو پہلے پہل شیر شاہ ہی نے مقرر کئے اور ان میں بیشتر عہدے بعد میں ان عہدوں کو موروثی قرار دے دیا گیا۔

فوجی نظام گھوڑوں کو داغنے کا طریقہ جاری کیا اور جاگیرداروں سے اس پر سختی سے عمل کرایا تاکہ جاگیردار گھوڑے اور سوار رکھے بغیر ان کی

تنخواہیں شاہی خزانہ سے وصول نہ کرتے رہیں۔ اس سے پیشتر جاگیرداروں کا دستور تھا کہ وہ سواروں اور پیادوں کی مقررہ تعداد اپنے پاس ملازم نہ رکھتے تھے مگر کاغذات میں ان کا اندراج دکھا کر ان کی تنخواہیں وصول کرتے رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب بادشاہ کو کوئی ضرورت پیش آتی تو سردار ادھر اُدھر سے آدمی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے جو باقاعدہ فوجی تربیت یافتہ نہ ہونے کے باعث میدانِ جنگ میں کام نہ آسکتے اور بادشاہ کو نقصان اٹھانا پڑتا۔ سلطان شیر شاہ نے اس قباحت کا قلع قمع کر دیا اور گھوڑے کو داغا جاتا اور ہر سپاہی کا چہرہ دو حلیہ رجسٹر میں درج ہوتا۔

چار نئے قلعے بنوائے۔ قلعہ رہتاس خورد نزد جہلم، قلعہ شیر گڑھ نزد قنوج اور دو قلعے بہرہ کھنڈ میں جیسے کندن اور شیر کوہ۔

ہر قلعہ میں اس کی اہمیت کے مطابق مستقل فوج رکھی جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ قلعہ رہتاس (جہلم)	۳۰ ہزار
۲۔ قلعہ ملتان	۵ ہزار
۳۔ قلعہ گوالیار	۱ ہزار بندوق دار
۴۔ قلعہ بیانہ	۱ ہزار سوار
۵۔ قلعہ رنتھمبور	۱۹۰۰ بندوق دار
۶۔ قلعہ چتوڑ	۱۹۰۰ بندوق دار
۷۔ قلعہ مانڈو	۱۰ ہزار سوار، ۷ ہزار بندوق دار
۸۔ قلعہ رائسین	۱ ہزار توپچی
۹۔ قلعہ چنار گڑھ	۱ ہزار بندوق دار
۱۰۔ قلعہ رہتاس (بہار)	۱۰ ہزار بندوق دار

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ فوج قلعہ رہتاس خورد میں تھی کیونکہ وہ کابل کے راستہ پر تھا اور اگر کبھی مغل آتے تو اسی طرف سے آسکتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ میں سرزمین میں قلعہ تعمیر کرا دوں گا تاکہ باغیوں کا ہمیشہ کے لئے سدِ باب ہو جائے۔ مگر عمر نے مہلت نہ دی۔

فوجیں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتیں تو انہیں کھڑی فصلوں کو نقصان پہنچانے کی سخت ممانعت تھی۔ اگر کوئی سپاہی یا افسر اس کی خلاف ورزی کرتا تو اسے عبرتناک سزا دی جاتی دوسروں کی تنبیہ کی جاتی۔ اگر مجبوراً فصل تباہ ہو جاتی تو اس کی باقاعدہ پیمائش کرا کے مالکوں کو معاوضہ ادا کیا جاتا۔ سپاہیوں کو جنگ کے دوران میں بھی بچوں، بوڑھوں یا عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی سپاہیوں کی بھرتی عموماً سالانہ سال کھلی رہتی۔ خود سپاہیوں سے بالمشافہ گفتگو کرتا جو فصاحت سے جواب دیتا۔ اس پر خوش ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دنوں تیر کمان ہی ان دنوں بڑا ہتھیار تھا۔ جیسے آج کل رائفل ہے جو اچھا تیر کھینچتا اس کی قدر کرتا۔ اس کا فوجی ڈسپلن بڑا سخت تھا اور سپاہی بڑے جفاکش تھے۔ ہر رات جہاں لشکر کا قیام ہوتا۔ قلعہ بند تعمیر کیا جاتا۔ اس کی تعمیر میں خود سلطان سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام کرتا اسے کام سے نفرت نہ تھی بلکہ کام کرنا بڑائی کا نشان سمجھتا تھا اور خود دن رات کام میں مصروف رہتا تھا۔ بسا اوقات کدال لئے کام میں مشغول ہوتا اور سفیر ملاقات کے لئے آجاتے تو وہیں زمین پر بیٹھ کر ان سے بات چیت کر لیتا۔

ان دنوں فوجی افسروں میں یہ ایک بڑی برائی تھی کہ جب بادشاہ کو کسی موقع پر ان کی ضرورت پڑتی تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت جاگیریں اور انعامات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ چونکہ ان کے بادشاہ زمانۂ امن میں تنخواہیں ادا نہیں کرتے تھے اس لئے وہ بھی ایسے وقتوں پر ان کے مطالبات مان لیتے تھے مگر شیر شاہ جب کسی کو ملازم رکھتا اس پر واضح کر دیتا کہ جو تنخواہ تم سے مقرر کی جائے گی وہ تمہیں باقاعدگی سے ملے گی لیکن اگر تم نے جنگ کے موقع پر کچھ مطالبہ کیا تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ بغرض اس نے فوج کو بالکل باقاعدہ، سخت ضبط کی عادی اور جفاکش بنا دیا یہی وجہ تھی کہ اس کے مقابلہ میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے سڑکیں ضروری ہیں۔ اولاً سڑکیں فوجی ضروریات کے مدِنظر بنتی ہیں۔ پھر یہ عوام کے کام بھی آتی ہیں اور تجارت میں بھی ممد ہوتی ہیں۔

شیر شاہ نے مندرجہ ذیل سڑکیں تعمیر کرائیں۔

۱۔ دریائے سندھ کے کنارے سے خلیج بنگال تک دو ہزار کوس لمبی سڑک یہ سڑک قلعہ رہتاس خورد اور قلعہ رہتاس کلاں دونوں کے پاس سے گزرتی تھی۔ رہتاس خورد اہم فوجی مقام تھا اور رہتاس کلاں ایک طرح سے اس کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اسے آج کل جرنیلی سڑک کہتے ہیں اور یہ کلکتہ سے پشاور تک جاتی ہے۔

۲۔ پایۂ تخت آگرہ سے مالوہ کے صدر مقام مانڈو تک اور وہاں سے برہانپور جو ملک دکن کی سرحد پر واقع تھا۔ طول ۶۰۰ کوس۔

۳۔ پایۂ تخت آگرہ سے جودھپور اور وہاں سے چتوڑ گڑھ تک۔

۴۔ لاہور سے ملتان تک جو آج کل ملتان روڈ کے نام سے مشہور ہے۔

سڑکوں پر دو رویہ پھل دار درخت لگوائے۔ ہر دو کوس پر سرائیں تعمیر کرائیں۔ ہر سرائے میں کنوئیں کھدوائے۔ مسجدیں بنوائیں۔ سرکاری چوکیدار مقرر کئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے الگ الگ مفت کھانا مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ انہی سراؤں میں گھوڑے رکھ کر سواروں کے ذریعے سے ڈاک کا انتظام کیا۔ بقول ...شین مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے شیر شاہ نے سواروں کے ذریعے سے ڈاک کا انتظام کیا۔

وہ اسلام کو صحیح طور پر سمجھتا تھا۔ یہ تو اس کے اسی قول سے ظاہر ہے کہ سلطنت کے فرائض عبادت سمجھ کر سرانجام دینے چاہئیں۔ نیز یہ کہ کفر و اسلام عدل کے مستحق ہیں اور ظلم بدترین خصلت ہے مگر اس نے جو ایک اور قاعدہ جاری کیا اس سے بھی اس کی دینی حقائق پر گہری نظر معلوم ہوتی ہے۔ ان دنوں مساجد میں حکومت کی طرف سے امام مؤذن اور جاروب کش تو مقرر ہوتے ہی تھے۔ سلطان شیر شاہ نے اس انتظام کو بھی درست کر دیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا کہ نمازِ ظہر کے بعد ہر مسجد میں امام اور مقتدی کم از کم دس تیر اپنے ہاتھوں سے چلائیں۔ ذرا خیال فرمائیے اگر آج کل حکومت تمام مساجد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے اور ساتھ یہ حکم دے دے کہ ہر مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد امام اور مقتدی کم از کم دس راؤنڈ رائفلوں سے چلائیں تو اس سے ہمارے معاشرہ پر کیا اثر ہو۔ ایک طرف تو مذہبی لوگوں پر جو عام طور سے سست اور کاہل ہوتے ہیں چستی اور مستعدی اور جنگجویانہ جذبہ پیدا ہو اور ان کی دیکھا دیکھی مردوں، بچوں اور عورتوں میں بھی یہ جذبہ آجائے اور دوسری جانب ان لوگوں میں جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی ہے۔ خدا ترسی اور اتباعِ سنتِ رسولِ مقبول جیسے جذبات پیدا ہو جائیں اور یہی توازن منشائے اسلام ہے کہ قوت حق سے جدا نہ ہو اور حق پرستی بے قوت ہو کر نہ رہ جائے۔

معاشی لحاظ سے اس کا یہ اصول نہایت قابلِ قدر اور نصب العین تھا جس ...

مثالی قرونِ اولیٰ کے بعد بہت کم ملتی ہے کہ اس کی سلطنت میں مالِ تجارت پر صرف ایک بار راہداری داخلہ محصول عائد ہوتا تھا۔ یہ بات بیشتر حکومتوں کو اس دور میں بھی حاصل نہیں۔ اصل میں سلطان شیر شاہ اس بنیادی حقیقت کو سمجھ چکا تھا کہ سلطنت کا مالی استحکام، اعلیٰ زراعت اور کثیر تجارت پر ہے۔ اس لئے وہ زراعت اور تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا اور انہیں ترقی دینے کے وسائل سوچتا رہتا۔

حاجیوں کے لئے وہ جہاز بنوائے اور مزید بنوانے کی فکر میں تھا۔ اس کی سلطنت کم و بیش رفاہی سلطنت تھی۔ ضعیفوں، مریضوں، محتاجوں، بیواؤں، طالب علموں اور یتیموں کے نقد وظائف مقرر تھے۔ خود راتوں کو پھرتا اور بغیر اپنا آپ ظاہر کئے ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرتا۔

اس کا سلسلہ خبر رسانی بہت وسیع اور مؤثر تھا۔ اسے ملک کے ہر حصہ سے لحظہ بلحظہ خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے حریفوں کو آسانی سے مات دے جاتا تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ علم طاقت ہے یہ بالکل صحیح ہے بلکہ علم ہی وہ چیز ہے جس کے باعث انسان کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہوئی۔ اگر کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے تو وہ اس کی روک تھام کی تدابیر کیا کرے گا۔ اس لحاظ سے بھی شیر شاہ کا کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ ہر وقت باخبر اور چوکنا رہتا اور اسی لئے بہت کم دھوکا کھاتا۔

قانون کی خلاف ورزی اور ظلم کو سخت ناپسند کرتا تھا اور عدل و انصاف تو گویا اس کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس کے دور میں کوئی بڑے سے بڑا امیر بھی قانون کی خلاف ورزی یا کسی کا حق چھیننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا یا ایسا کر کے مؤاخذہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک بار شجاعت خاں نے جو اس کا پرانا ساتھی اور چوٹی کے امراء میں سے تھا۔ خوشامدیوں کے ورغلانے پر سپاہیوں کی تنخواہ کا کچھ حصہ ہضم کرنا چاہا۔ سپاہی ابھی سلطان کی خدمت میں اپنا وکیل بھیج کر استغاثہ کرنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان کو اپنے پرچہ نویسوں کے ذریعے سے تمام واقعہ کی خبر پہنچ گئی اور اس نے فوراً اس سلسلہ میں کارروائی کرتے ہوئے شجاعت خاں کو لکھا۔

"میں نے تجھے فقیر سے امیر بنا دیا اور ان افغانوں کو تیرے ماتحت کر دیا جو تجھ سے بہتر تھے اب تو ان کا حق مارنا چاہتا ہے؟ نہ تجھے لوگوں کی شرم ہے اور نہ خدا کا ڈر۔ اگر تو نے سپاہیوں کا استغاثہ میرے پاس دائر ہونے سے پہلے پہلے انہیں راضی نہ کر لیا تو میں تیرے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اور تیری کھال کھنچوا دوں گا۔"

شجاعت خاں خط ملتے ہی کانپ گیا اسی وقت سوار ہو کر سپاہیوں کے پاس پہنچا ان کا حق انہیں ادا کیا۔ ان سے معافی مانگی اور انہیں راضی کیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک روز سلطان کا لڑکا عادل خاں ہاتھی پر سوار آگرہ کے کسی کوچہ سے گزر رہا تھا۔ ایک بقال کی بیوی گھر کے صحن میں نہا رہی تھی۔ مکان کی دیواریں نیچی ہوں گی۔ شہزادہ کی نظر پڑ گئی۔ اس پر پان کا بیڑا پھینک دیا۔ عورت شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ جب اس کا خاوند گھر آیا تو اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ شیر شاہ کے عہد میں عدل کا دور دورہ تھا اور ہر شخص انصاف طلبی کو اس قدر اپنا حق سمجھتا تھا کہ بقال سیدھا سلطان کے دربار میں پہنچا اور شاہزادہ کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ ورنہ شخصی حکومتوں میں کب کسی کو جرأت ہوتی تھی کہ وہ بڑے امرا یا شہزادوں کے رویہ کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کر سکیں؟ اس مہذب دور میں بھی طاقت ور لوگ غرباء پر مظالم ڈھاتے ہیں، اور ان کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔ شیر شاہ نے سنا تو مغموم ہوا کہ اس کا بیٹا ہو اور ایسی گری ہوئی حرکت کرے۔ مقدمہ پیش ہوا، سن کر اس نے یہ فیصلہ سنایا کہ عادل خاں کی بیوی یعنی سلطان کی اپنی بہو اسی مکان میں نہائے۔ فریادی کو ہاتھی پر سوار کیا جائے اور وہاں سے گزرتا ہوا اس پر پان کا بیڑا پھینکے۔"

دربار میں سناٹا چھا گیا۔ بڑے بڑے امرا موجود تھے مگر کسی کو ملزم کے حق میں بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ سلطان کی طبیعت سے واقف تھے۔

بقال سمجھدار تھا۔ بولا "مجھے انصاف مل گیا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔ سلطان کی بہو میری بہو ہے۔ میں اس پر پان کا بیڑا نہیں پھینک سکتا۔"

سلطان اس اسلامی دور کا مثالی فرمانروا تھا جو اکبر پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ عالم باعمل، بہادر جرنیل، دوراندیش، سیاستدان، عادل منتظم، بے تعصب پابندِ شریعت، جفاکش سپاہی اور عجیب و غریب طبیعت انسان تھا۔ بڑے سے بڑوں کی پروا نہ کرتا۔ دشمنوں کو چیل دینے کی بجائے انہیں شرانگیزی کے ناقابل بنانے پر ترجیح دیتا۔ جنگ سے پہلے امن کے تمام ذرائع استعمال کرتا اور اس کی کوشش یہی ہوتی کہ کشت و خون کے بغیر ہی کام نکل جائے۔ اپنی کم از کم طاقت استعمال کرتا اور دوسروں کو کم از کم نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ اسلام کو زندگی سے الگ نہ سمجھتا اور تعصب کو مذہب قرار نہ دیتا۔ اگر حضرت مجدد سے شروع ہونے والے اسلامی دور کے فرمانروا شیر شاہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تو شاید وہ یہاں زیادہ کامیاب رہتے اور اسلام کو بھی اس برعظیم میں زیادہ پھیلنے پھولنے کا موقع ملتا۔

اگرچہ شیر شاہ بظاہر افغانوں کا ہیرو نظر آتا ہے مگر وہ اسلام کے بین الاقوامی پہلو سے غافل نہ تھا۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ ہر پیغمبر پہلے اپنی قوم کو تیار کرتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے تمام عالم تک وہ پیغام پہنچاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے عربوں کے ذریعے سے دنیا کو اسلام سے روشناس فرمایا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ شروع میں عربوں کو غیر عربی اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ عربی قومیت کے بطور قومیت حامی نہ تھے بلکہ اسے اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ شیر شاہ نے پہلے افغان قوم کو تیار کیا۔ متفق کیا۔ منتظم کیا۔ زندگی کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرایا وہ چاہتا تھا کہ ان کے ذریعے سے اسلام کی وسعت میں کوشاں ہو۔

چنانچہ ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ جودھپور (مارواڑ) کی فتح کے بعد میر سید رفیع الدین نے باقی عمر حرمین شریفین میں گزارنے کی اجازت چاہی تو شیر شاہ نے ان سے اپنے بین الاقوامی عزائم کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ تمام ایشیا پر قبضہ کر کے اسے فتنہ و فساد سے پاک کرنا اور یہاں اسلامی اصول رائج کرنا چاہتا ہے۔

مؤلف نے جس قدر غور کیا ہے سے سلطان شیر شاہ کی زندگی میں اس آیت کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۝

اس آیت کریمہ میں تین امر کا ذکر ہے اور تین نہی کا اور ان کو پیش نظر رکھنے کا اجر فلاح یا کامیابی بتایا گیا ہے۔

شیر شاہ میں عدل بھی تھا۔ احسان بھی اور قرابتداروں سے حسن سلوک بھی اور وہ

فحش کاموں، ناپسندیدہ کاموں اور فساد سے مجتنب بھی تھا۔ عدل تو خیر اس کی زندگی کا محور ہے۔ کہا کرتا تھا "عدل محمود ادیان است، ہیچ طاعت برابر عدل نیست"۔ احسان اس نے اپنے بدترین دشمن ہمایوں اور رائے پورن مل سے بھی کیا۔ قرابتداروں سے حسن سلوک کا یہ حال تھا کہ اس کے آبائی وطن علاقہ روہ کے تمام افغان احتیاج سے مستغنی ہو گئے تھے۔ زنا شراب، جوا وغیرہ فحش کاموں سے اسے قطعاً رغبت نہ تھی۔ یا عبادت کرتا یا سلطنت کے کام۔ خشک ملا بھی نہ تھا۔ سیر و شکار کو جاتا۔ تفریح کے لئے بھی نکلتا۔ ایک ہندو موسیقار بھی اس کے پاس ملازم تھا اور نواہی میں سے آخری چیز بغی یا فساد سے بھی مجتنب رہتا۔ باپ نے جاگیر سے نکالا تو نکل گیا۔ قانوناً اسے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جلال خاں لوحانی والی بہار نے جاگیر پر واپس بھیج دیا تو چلا گیا۔ والی بنگال نے حملے کئے تو ہر بار اسے خون خرابہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ ہمایوں کو بھی ہر جنگ سے پہلے صلح صفائی پر مائل کرتا رہا۔ آخر تک اپنے ملک میں اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری رکھا یہاں تک کہ خود ہمایوں نے بار بار عہد شکنی کر کے اس سے لڑائی مول لی اور شکست کھائی۔

بقول اقبال "اس کے دنوں میں تپش تھی۔ اس کی شبوں میں گداز تھا۔ اس کا مقام بلند اور خیال عظیم تھا۔ اس کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل تھے۔ اس کی ادا دلفریب اور نگاہ دلنواز تھی اور وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو تھا۔

خادموں کو حکم تھا کہ اسے دو تہائی شب گزرنے کے بعد بیدار کر دیں پہلے نہاتا پھر تہجد کی نماز ادا کرتا۔ اس کے بعد صبح صادق تک اہم امور سلطنت کے متعلق غور و فکر کرتا۔ پھر دوبارہ وضو کر کے فجر کی نماز باجماعت کثیر ادا کرتا فجر کے بعد اشراق تک درود و وظائف میں مشغول رہتا۔ نماز اشراق پڑھ کر مصلیٰ سے اٹھتا پہلے امراء حاضر ہوتے۔ ان سے بات چیت کرتا۔ پھر دادخواہوں کے استغاثے سنتا۔ پھر قدیم سپاہیوں کی موجودات (حاضری) لیتا۔ نئے رکروٹوں سے بالمشافہ گفتگو کرتا۔ اس کے بعد اطراف ملک سے آنے والے خزانے پیش ہوتے پھر دوسرے فرمانرواؤں کے سفیروں کو شرف باریابی عطا کرتا۔ اس کے اپنے عمال کے وکلا پیش ہوتے۔ ہر عرضداشت پر خود حکم لکھواتا۔

کھانا علما اور مشائخ کے ساتھ کھاتا۔ اس کے بعد قیلولہ کرتا۔ پھر نماز ظہر باجماعت کثیر ادا کرتا۔ اس کے بعد تلاوت قرآن پاک کر کے عصر تک سلطنت کے کاموں کی طرف متوجہ رہتا عصر باجماعت ادا کر کے شام تک فوجی کھیلوں یا تفریحی مشاغل میں حصہ لیتا۔ مغرب باجماعت پڑھتا۔ مغرب کے بعد عشاء تک پھر علما اور مشائخ سے صحبت رہتی۔ عشاء باجماعت ادا کر کے آرام کرتا۔ سلطان سفر و حضر میں بالعموم اسی پروگرام پر عمل پیرا رہتا۔ بلاواسطہ بات چیت کو پسند کرتا تھا اور سپاہیوں تک سے لطف آمیز لہجے میں گفتگو کرتا۔ اگر کوئی دوران گفتگو میں اعتدال سے تجاوز کر جاتا تو اپنی ناراضامندی ظاہر نہ ہونے دیتا بلکہ اس کا جواب اس طرح دیتا کہ کہنے والے کو خود بخود اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا۔ دل شکنی کو عیب سمجھتا تھا۔ کبر و نخوت سے بیزار اور خوشامد سے دلی نفرت رکھتا تھا۔ جو دروازے پر آتا اسے محروم نہ کرتا۔ اس کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ کہتے ہیں ۵۰۰ اشرفی روزانہ اس کے مطبخ کا خرچ تھا۔ دن رات کام میں مصروف رہتا کہا کرتا تھا بڑے آدمی کی نشانی یہی ہے کہ وہ ہر وقت کام میں مصروف رہے۔ کام ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا اسے سلطنت کی ذمہ داری کا بہت احساس تھا اور چاہتا تھا کہ اس کی مملکت میں ہر شخص خوشحال اور فارغ البال ہو اور اس کی عزت، جان اور مال محفوظ رہے۔

آخری معرکے

جب سلطان بنگال سے پنجاب تک تمام علاقہ پر اور جنوب میں مالوہ وغیرہ کو زیر نگیں لانے کے بعد یہاں کے انتظامات سے فارغ ہوا تو مزید فتوحات کی ٹھانی حسب معمول امرا کی مجلس مشاورت طلب کی اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ بعض نے عرض کیا کہ دکن پر حملہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہاں بعض ایسے لوگ ہیں جو حضرات صحابہ کرام کو برسر عام گالیاں دینا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا قلع قمع ضروری ہے مگر سلطان شیر شاہ نے اس معاملہ میں بھی اپنے روایتی تدبر کا ثبوت دیا۔ اس نے کہا شیعہ تو دکن میں ہیں مگر دہلی اور مالوہ کے نواح میں بعض ایسے ہندو زمیندار موجود ہیں جنہوں نے مسجدیں گرا دی ہیں اور مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے ہیں پہلے ان کا استیصال ہونا چاہیئے۔ ویسے بھی جب تک ملک ہندو دشمنوں سے پاک نہ ہو جائے دکن کا رخ کرنا غلطی ہے پہلے ہمیں اجمیر، مارواڑ، چتوڑ اور کالنجر وغیرہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ سرداروں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور سلطان نے اس غرض سے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا۔

مارواڑ

۹۵۰ھ میں شیر شاہی عساکر ناگور، اجمیر اور جودھپور کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت سلطان کے پاس اسی ہزار سے زیادہ باقاعدہ فوج تھی جو پوری طرح تربیت یافتہ اور مسلح تھی۔ لشکر روانہ ہوا تو بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے بھی اس کا شروع اور آخر نظر نہیں آتا تھا۔ جس جگہ قیام ہوتا وہیں خام قلعہ بنتا اور خندقیں کھود دی جاتیں۔

ان دنوں مارواڑ، ناگور اور اجمیر کی حکومت مالدیو نامی ایک شخص کے پاس تھی۔ جو اصل راجہ کو قتل کر کے اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا تھا اس لئے اسے اپنے سرداروں پر کلی اعتماد نہ تھا ویسے اس کے پاس ۵۰ ہزار جیالے راجپوت تھے۔

سلطان مارواڑ کے قریب پہنچا تو یہ چال چلا کہ مالدیو کے سرداروں کی طرف سے نام خطوط لکھوا کر انہیں ایک ایلچی کے ذریعے سے راجہ کے راستے میں ڈلوا دیا۔ مزید مضمون کم و بیش ایک جیسا تھا کہ "ہم راجہ مالدیو کے ہاتھوں تنگ ہیں۔ سلطان حملہ کرے جنگ کے وقت ہم خود راجہ کو سلطان کی خدمت میں پیش کر دیں گے"۔ راجہ کو اپنے سرداروں پر اعتماد تو پہلے ہی نہ تھا، یہ خطوط پڑھے تو سخت ہراساں ہوا۔ اس کے سرداروں نے اسے بہتیرا یقین دلایا کہ یہ دشمن کی چال ہے ورنہ ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر اس کا اعتماد جو ایک بار متزلزل ہو چکا تھا، دوبارہ بحال نہ ہوا۔ راجہ بھاگ گیا مگر اس کے دو سردار جے چند اور گوپا بارہ ہزار راجپوتوں کے ساتھ شاہی لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اس قدر دلیری سے لڑے کہ شاہی لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ غالب شاہی فوج اپنی کثرت پر نازاں تھی اور اپنی فتح کو یقینی شدہ —— حقیقت تصور کرتی تھی۔ راجہ کے بھاگنے سے شاہی لشکر اور بھی بے پرواہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب بہادر راجپوتوں نے اپنا دلیرانہ حملہ کیا تو سلطان خود ان کے مقابلہ کے لئے نہ نکلا بلکہ خیمہ میں بیٹھا تلاوت میں مصروف رہا۔ جنگ حنین کی طرح مسلمانوں کی کثرت تعداد ان کے کچھ کام نہ آئی اور وہ لگے میدان جنگ سے بھاگنے۔ ایک افغان دوڑا دوڑا سلطان کے خیمہ کی طرف گیا اور چلا کر نے

لگا تو یہاں بیٹھا ہے اور وہاں تیرا لشکر شکست کھا رہا ہے۔" سلطان نے اشارہ سے اپنا گھوڑا طلب کیا مگر پیشتر اس کے کہ سوار ہوتا ایلچی فتح کی خبر لے کر پہنچ گیا۔

فتح ہوئی مگر بہادر راجپوتوں کی لاشوں پر۔ ایک ایک راجپوت کٹ مرا۔ بارہ ہزار نے جانیں دے دیں۔ ایک نے بھی میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھائی۔ یہ راجپوت جان دینا تو معمولی بات سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید اس لیے کہ ان کے پاس کوئی ایسی جاندار آئیڈیالوجی نہ تھی جو انہیں متحد رکھتی اور آگے بڑھنے میں مدد دیتی۔ پھر جیتا اور گوپا کی بہادری تمام ہند میں ضرب المثل بن گئی اور صدیوں تک لوگوں کو یاد رہی۔ سلطان نے فتح کی خبر سنی تو سجدۂ شکر بجا لایا۔ پھر ہنس کر کہنے لگا "آج تو مٹھی بھر باجرا کے بدلے دہلی کا تخت گنوا بیٹھے تھے"۔ مارواڑ کی پیداوار باجرا ہے۔

فتح کے بعد سلطان نے اپنے خاص افسروں کو ناگور، اجمیر اور جودھپور کی تسخیر پر مامور کیا۔ راجہ مالدیو گجرات کی جانب بھاگ گیا۔ خواص خاں راجپوتانہ کا ناظم مقرر ہوا۔ اس نے اپنے زمانہ میں جودھپور کے قریب ایک شہر بھی آباد کیا جس کا نام خواص پور رکھا۔ یہ شہر ابھی تک موجود ہے۔

فتح مارواڑ کے بعد شیر شاہی دور کے مشہور عالم میر سید رفیع الدین نے سلطان سے حرمین شریفین جانے کی اجازت چاہی۔ "اب جی چاہتا ہے کہ باقی عمر وہیں گزار دوں"۔ انہوں نے عرض کیا۔

"آپ کا خیال مبارک ہے" سلطان نے کہا "مگر میں نے آپ کو ایک خاص مقصد کے لئے اپنے پاس رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہند کے غبار آلود مطلع کو صاف کر کے بعد ایران پر حملہ کروں لہذا اس کے بعد آپ کو اپنا سفیر بنا کر سلیمان اعظم سلطان روم کے پاس بھیجوں تاکہ میرے اور ان کے درمیان مضبوط اسلامی اتحاد قائم ہو جائے اور عثمانی اور افغانی عساکر مل کر تمام ایشیا کو فتنہ و فساد سے پاک کر کے یہاں اسلامی اصول رائج کر دیں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ سلطان ایک حرم کی خدمت مجھے دے دیں تاکہ میرے لئے سعادت کا باعث ہو۔

یہ سلیمان اعظم جو ان دنوں سلطنت عثمانیہ کا تاجدار تھا شیر شاہ کی طرح عادل، شجیع، دانشمند اور رحمدل حکمران تھا۔ اس کی فتوحات نے تمام یورپ میں تہلکہ مچا دیا تھا اور عیسائی تاجداروں کو اس سے دب کر صلح کرنی پڑی تھی۔ شیر شاہ کی مانند یہ بھی اپنی رعیت کی جان و مال کی حفاظت پر بہت زور دیتا تھا اور اس کے عہد میں مزارعین کی حالت اس قدر اچھی تھی کہ دوسرے ملکوں کے کاشتکار بھی اس کے ملک میں جا کر آباد ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ قانون کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ "قانونی" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اس کے تعلقات بھی ایران کے شاہ طہماسپ سے اچھے نہ تھے۔ اس کے ایک باغی بیٹے کو ایران نے پناہ دی تھی۔ شیر شاہ کا حریف ہمایوں بھی وہیں پناہ گزیں تھا۔ اسی لئے شیر شاہ نے ہند کو مکمل طور پر زیر نگیں کرنے کے بعد ایران پر حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے اس اقدام کو سلیمان اعظم کی حمایت حاصل ہو گی۔

سید صاحب نے ان خیالات پر مرحبا کہا اور اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ سلطان آگرہ واپس آ گیا۔

چتوڑ گڑھ

نئے سال ۹۵۱ھ میں سلطان نے پھر لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا اور اپنے بیٹے جلال خاں کو بھی پٹنہ سے طلب کر لیا۔ اس اثنا میں برسات کا موسم آ پہنچا۔ امرا نے عرض کیا برسات کہیں آرام سے گزار لیں۔ پھر مہمات جاری رکھیں گے۔ "میرے لئے کام میں آرام ہے" سلطان نے کہا "برسات ایسی جگہ گزاریں گے جہاں کچھ کام بھی ہو سکے"۔ یہ کہہ کر چتوڑ گڑھ کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ نزدیک پہنچا تو راجہ خوفزدہ ہوا اور اس نے بغیر لڑے وہاں کی کنجیاں سلطان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ سلطان نے خواص خاں کے چھوٹے بھائی، احمد خاں شروانی اور اس کے ساتھ حسین خاں غازی کو وہاں چھوڑا۔

شہزادہ عادل خاں نے رنتھمبور پر حملہ کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اجازت دے دی مگر جلدی واپس آنے کی ہدایت کی۔ سلطان نے خود کھیواڑہ کی جانب کوچ کیا اور مالوہ کے سرحدی علاقوں کو زیر کرتا ہوا مالوہ کے دار الخلافہ ہنڈیا میں آ گیا۔ شجاعت خاں کو یہ ہدایت دے کر کہ جونہی اسے فتح کالنجر کی خبر ملے وہ دکن پر حملہ کر دے۔ خود سلطان کالنجر کی جانب متوجہ ہوا۔

کالنجر

اس سے پہلے جب سلطان نے امیر الامرا خواص خاں کو نرسنگ دیو بندھیلہ کو لانے کے لئے بھیجا تو اس نے بھاگ کر راجہ کالنجر کے پاس پناہ لے لی تھی۔ خواص خاں نے راجہ کو کئی بار لکھا کہ وہ نرسنگ داس کو بھیج دے تاکہ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے مگر اس نے پروا نہ کی۔ خواص خاں نے جملہ حالات سلطان کی خدمت میں لکھ بھیجے۔ سلطان نے خود کالنجر کی جانب کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔

۹۵۲ھ میں سلطان ۸۰ ہزار فوج اور دو ہزار ہاتھیوں کے ساتھ کالنجر کی جانب متوجہ ہوا۔ وہاں کے راجہ کیرت سنگھ نے شاہی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو قلعہ کے ارد گرد کی اونچی عمارتیں گرا دیں اور اجناس و سامان اکٹھا کر کے قلعہ بند ہو کے بیٹھ گیا۔ راجہ اپنے قلعہ کی مضبوطی پہ مغرور تھا۔ اس لئے اس نے اطاعت اختیار نہ کی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آہستہ آہستہ قلعہ کے ارد گرد مورچے تیار کراتا رہا۔ بالآخر اتنے اونچے مورچے تیار ہو گئے کہ ان کے اوپر کھڑے ہونے سے قلعہ کے اندر کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ سلطان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ کوئی جان ضائع کئے بغیر قلعہ مل جائے۔ اس لیے حملہ میں تاخیر کرتا رہا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ راجہ کیرت سنگھ کے پاس ایک حسین رقاصہ تھی اور سلطان اسے زندہ دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس ڈر سے قلعہ پر حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ مبادا وہ حملہ میں ماری جائے۔ مگر یہ محض کہانی ہے۔ سلطان کی تمام زندگی اسی قسم کی تھی کہ

نہ بادِ بہاری، نہ گلچیں، نہ بلبل
نہ بیماریٔ نغمۂ عاشقانہ

راجہ کے پاس کوئی رقاصہ ہو گی جس کا ان دنوں عام چرچا ہو گا۔ سلطان نے محاصرہ کو طول دیا۔ لوگوں کو اس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی تو انہوں نے ان دو باتوں میں تعلق پیدا کر لیا ورنہ کہاں سلطان شیر شاہ اور کہاں ایک رقاصہ؟

بہرکیف افغانی لشکر طویل محاصرہ سے تنگ آ گیا اور انہوں نے ان علما و مشائخ کی طرف رجوع کیا جنہیں سلطان کا قرب حاصل تھا۔

۹ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) کو ایک بیرونی خیمے سلطان کھانے پر بیٹھا تو شیخ خلیل اور ملا نظام دانشمند نے دسترخوان پر جہاد کا تذکرہ چھیڑ دیا اور جہاد کی اہمیت و اس کی عظمت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کفار کے خلاف جہاد سب سے بڑی۔

عبادت اور لڑائی نہیں"۔

سلطان ان کی گفتگو سے متاثر ہوا اور فوری حملہ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

کھانے کے بعد دریا خاں شروانی کو حکم دیا کہ آتشیں حقوں (بموں) سے قلعہ پر حملہ کر دیا جائے۔ حکم دینے کے بعد سلطان خود ایک مورچہ پر چڑھ گیا اور اپنے ہاتھ سے کئی تیر چلائے۔ ابھی تک حقوں سے حملہ کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ دوبارہ فرمایا "اب حملہ میں دیر نہیں ہونی چاہیئے"۔ دریا خاں نے بڑھ کر عرض کیا "حقے آگئے ہیں۔ سلطان خود تشریف لے چلیں"۔ سلطان حقوں کے ذخیرے کے پاس تشریف لے گئے۔ شیخ خلیل اور ملا نظام سلطان کے ہمراہ تھے۔ آتش بازوں نے حقے مارنے شروع کئے۔ اتفاق سے ایک حقہ قلعہ کی دیوار سے ٹکرا کر واپس حقوں کے ذخیروں میں آگرا جس سے سارے ذخیرہ کو آگ لگ گئی اور حقے پھٹ پھٹ کر ادھر اُدھر گرنے لگے۔ دریا خاں، شیخ خلیل، ملا نظام سب کے بدن جلے۔ خود سلطان پر سب سے زیادہ اثر ہوا اور اس کے نیم سوختہ جسم کو پالکی میں ڈال کر شاہی خیمہ میں پہنچایا گیا۔ یہ افسوسناک خبر آناً فاناً تمام لشکر میں پھیل گئی۔ بڑے بڑے امرا سلطان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ سلطان سخت تکلیف میں تھا مگر اس کے ہوش و حواس قائم تھے "میں اب آپ سے رخصت ہو رہا ہوں" سلطان نے نحیف آواز میں کہا "اگر آپ مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں تو یہاں میرے پاس جمع ہونے کی بجائے حملہ کی طرف توجہ کیجئے تاکہ میں جیتے جی فتح کی خوشخبری سن لوں اور مجھے آخری وقت یہ تسکین ہو کہ جو کام میں نے شروع کیا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے پورا کرا دیا"۔

امرا اور فوج نے اپنے محبوب سلطان کی آخری خواہش کو پورا کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ عصر تک قلعہ فتح ہوگیا۔

سُلطان نے سنا تو اس کے چہرے پر مسرت ظاہر ہوئی۔ "الحمد للہ" فاتح نے آخری بار خدا کا شکر ادا کیا۔

۱۰ ربیع الاوّل ۹۵۲ھ کو اس جلیل القدر انسان اور عظیم الشان سلطان نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

تاریخ افاغنہ میں تاریخ وفات ۲۳۔ ذلقعد بتائی گئی ہے۔ شیر شاہ نے ۱۵ برس (۴۶-۹۳۲ھ) امارت میں بسر کئے اور ۵ سال ۲ ماہ ۱۳ دن (۵۲-۹۴۶ھ) تخت سلطنت کو زینت بخشی۔ ۶۰ سال سے زائد (غالباً ۶۳ برس قمری) عمر پائی۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

کتابیات

یہ کتاب زیادہ تر تاریخ شیر شاہی مؤلفہ عباس خان شروانی پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے

۱۔ تاریخ سلاطین افاغنہ : از احمد یادگار

۲۔ ہمایوں نامہ : گلبدن بیگم

۳۔ صولت شیر شاہی : سید احمد مرتضیٰ نصیر آبادی

۴۔ مخزن افغانی : نعمت اللہ ہروی

۵۔ ہسٹری آف انڈیا : مارشمین

۶۔ مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال (زبان انگریزی) از آر پی ترپاٹھی

۷۔ الکمال، شاہ کمال کیتھلی کے سوانح مؤلفہ پروفیسر خورشید حسین بخاری ایم اے (اردو، عربی، فارسی)

(عبدالرشید)

تعارف مصنف

میاں عبدالرشید جائے پیدائش موضع کلاسکے ضلع گوجرانوالہ

حال رہائش : ۸۳۴/ این سمن آباد لاہور

ابتدائی تعلیم پانچویں سے دسویں تک گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ

انٹر : خالصہ کالج گوجرانوالہ بی اے اور اے بی کورس ریاضی دیال سنگھ کالج لاہور

۱۹۲۹ء میں پنجاب اسمبلی میں ملازمت اختیار کی۔ پچیس سال تک بطور مترجم، رپورٹر، مدیر مباحثات کام کیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چار سال تک ماہنامہ "حیات جاوداں" کے ایڈیٹر رہے۔ آج کل روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں "نور بصیرت" کا کالم لکھ رہے ہیں۔

تصانیف : (۱) سیف کشمیر (۲) شیر شاہ سوری (۳) اسلام اور تعمیر شخصیت

تراجم : (۱) پکتھال کے خطبات مدارس کا ترجمہ (۲) زندگی کا راستہ (۳) کامیابی کا راستہ مصنف ہرسٹس پیسر (۴) اخلاقی نظریہ مصنف جان ڈیوی

کتابت : منیر احمد منیر ساہیوال

سب کچھ مہنگا ہو گیا ——————— کتابیں سستی ہو گئیں

درخشاں جریدی کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں

ہمدرد اور صلاح کار مصنف ڈیل کارنیگی کی دو تصانیف

۱۔ گفتگو اور تقریر کا فن

قائل اور متاثر کرنے کیلئے
دنیا کی مفید ترین کتاب

میری لائبریری میں -/۱۲
جریدی صورت -/۳

۲۔ دنیا میں سب سے زیادہ بکنے والی کتاب

طلسم عمل

میٹھے بول میں جادو ہے

میری لائبریری میں -/۱۲ جریدی صورت -/۳

شفیق الرحمٰن کے بارہ مزاحیہ افسانے

پرواز

میری لائبریری میں -/۱۲
جریدی صورت -/۳

زندگی بھر کام آنیوالی کتابیں

عصمت چغتائی کا شاہکار ناول

عجیب آدمی

بہروپ نگر کی داستان

درخشاں جریدی صورت میں -/۳

زیر اشاعت

میاں عبدالرشید کی بھرپور تحقیق

السلطان العادل شیر شاہ سوری

سوانح : قیمت -/۳

خوب اور خوبصورت زندگی کے لئے

بیوٹی کلینک

قیمت -/۴

قائد اعظم کے سال میں

دیدہ بینائے قوم **محمد علی جناح** محمد سلیم ضیا

قیمت -/۳

نیکی قوت ہے، نیکو کاروں کی مدد کیجیے

کامیاب و کامران زندگی گزارنے کے لئے

سستائیے اور زندگی بڑھائیے

مصنف جوزف اے کینیڈی : مترجم: سلیم اختر
قیمت : تین روپے پچاس پیسے

پریشان ہونا چھوڑیئے

جینا شروع کیجیے

ڈیل کارنیگی کا شاہکار

میری لائبریری میں -/۱۵ درخشاں کتاب کی صورت میں ۵/۵۰

ناظم شعبۂ درخشاں کتابیں :۔ مکتبہ میری لائبریری چوک اردو بازار لاہور ۲

چند مطبوعات مکتبہ میری لائبریری —— لاہور ۲

افسانے

کتاب	مصنف / مرتب	بلا جلد، مجلد
خیالستان، سجاد حیدر یلدرم	مقدمہ و تنقید محمد خان اشرف	۸/-، ۱۲/-
یہ آگ (دو رنگہ طباعت)	سید شبیر حسین	۱۵/-
میرزا ادیب کے بہترین افسانے	مرتب عرش صدیقی	۱۰/-، ۱۴/-
۱۹۶۳ء کے منتخب افسانے	مرتب احراز نقوی	۱۲/-
۱۹۶۶ء " " "	مرتب ریاض احمد چودھری	۱۵/-، ۲۰/-
۱۹۶۷ء " " "	" ناصر زیدی	۱۲/-
۱۹۶۸ء " " "	" "	۱۲/-، ۱۶/-
۱۹۶۹ء " " "	" "	۱۲/-، ۱۶/-
۱۹۷۰ء " " "	" "	۱۲/-، ۱۶/-
۱۹۷۱ء " " "	" "	۱۲/-، ۱۶/-
زمزمۂ محبت : ابوالکلام آزاد	مرتب عطش درانی	۸/-، ۱۲/-
غلغلہ	احمد سعید	۶/-
منشی پریم چند کے بہترین افسانے	مرتبہ خواجہ محمد زکریا	۸/-، ۱۲/-
زادِ راہ منشی پریم چند مقدمہ	" "	۸/-، ۱۲/-
فاصلے	سیدہ عفرا بخاری	۸/-
خوشبو کے گھاؤ	نوید انجم	۱۰/-
آگ اور سائے	سحر یوسف زئی	۸/-
حریفِ آدم	نصیر احمد ناصر	۱۰/-، ۱۴/-
شفق کے سائے	غلام الثقلین نقوی	۱۰/-، ۱۵/-
بندگی	"	۱۰/-، ۱۵/-
چنار کی چھاؤں	لطیف کاشمیری	۱۰/-، ۱۴/-
حماقتیں	شفیق الرحمان	۱۲/-، ۱۸/-
مزید حماقتیں	"	۱۲/-، ۱۶/-
لہریں	"	۵/-، ۸/-
پرواز	"	۸/-، ۱۰/-
افق سے افق تک	آغا اشرف	۱۲/-، ۲۰/-
درد آئے گا دبے پاؤں	ذکاء الرحمان	۱۰/-
آوارہ سائے	آرزو چودھری	۶/-
شکستہ کنگرے	چودھری بشیر احمد ایم اے	۸/-، ۱۲/-

مزاح

کتاب	مصنف / مرتب	بلا جلد، مجلد
چنگ و رباب	کنہیا لال کپور	۶/-، ۸/-
بال و پر	"	۶/-، ۱۰/-
نرم گرم	"	۶/-، ۱۰/-
گرد کارواں	"	۶/-، ۱۰/-
دلیل سحر	"	۵/-، ۸/-
تل چل (پنجابی)	"	۵/-، ۸/-
اندیشۂ شہر	احمد جمال پاشا	۸/-، ۱۲/-
راجہ صاحب	شوکت تھانوی	۵/-، ۱۰/-
گرما گرم (لطیفے)	اشفاق احمد	۵/-، ۸/-
محفل معتدگی (مصور)	منظور الحق صدیقی	۱۰/-، ۱۲/-
رنگا رنگ (لطیفے)	شہناز بشیر	۵/-، ۱۰/-
حرف و حکایت، مجید لاہوری	مرتب شفیع عقیل	۱۰/-، ۱۲/-
پڑھو اور ہنسو (لطیفے)	میاں محمد ابوالفتح	۶/-، ۱۰/-
سگ بیتی	مرتب ارشد میر	۱۰/-، ۱۲/-
اُردو کا بہترین انشائی اُدب	مرتب ڈاکٹر وحید قریشی	۲۵/-، ۳۰/-
اہلِ قلم کی شوخیاں	مرتب عطش درانی	۶/-، ۱۰/-
مشاہیر کے لطیفے اور چٹکلے	"	۵/-، ۱۰/-

ڈراما

کتاب	مصنف / مرتب	بلا جلد، مجلد
دغا باز، کارلوگولدونی	مترجم کمال احمد رضوی	۴/-، ۸/-
لفنگے کی ڈائری	"	۶/-، ۱۰/-
ٹاہلی دے تھلے (پنجابی)	اشفاق احمد	۶/-، ۱۰/-
کاغذی شیر	علی احمد	۱۲/-، ۱۶/-
افق سے افق تک	آغا اشرف	۱۲/-، ۲۰/-
راجہ صاحب	شوکت تھانوی	۵/-، ۱۰/-

سائنس ۔ مذہب ۔ علوم

کتاب	مصنف / مرتب	بلا جلد، مجلد
دلچسپ بھی عجیب بھی	زاہد حسین انجم	۶/-، ۱۰/-
اُردو کی پہلی سیڑھی	الف المحراث	۵/-
معلومات کا انسائیکلوپیڈیا (جدید)	علی ناصر زیدی	۱۵/-، ۲۰/-
تسخیر قمر (خلائی تحقیقات)	زاہد حسین انجم	۱۵/-، ۲۰/-
بیسوی صدی کا فلسفہ	قاضی جاوید حسین	۶/-، ۱۰/-
وجودیت	"	۶/-، ۱۰/-
تفہیم آیات	سید ابوبکر غزنوی	۲/-
کتاب و سنت	خالد بزمی	۱۸/-
انعام القرآن	"	۱۸/-

تنقید

کتاب	مصنف / مرتب	بلا جلد، مجلد
ادب کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر سلام سندیلوی	۱۰/-، ۱۲/-
پنجابی ادب کی مختصر تاریخ	احمد حسین قریشی	۲۰/-، ۲۴/-
پنجابی ادبیات دا تحقیقی مطالعہ (پنجابی)	"	۲۵/-، ۲۸/-
ولی (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	مرتب محمد خان اشرف	۶/-، ۱۰/-
ارنسٹ ہیمنگوے (تنقیدی مطالعہ)	فلپ ینگ	۴/-، ۸/-
ولیم فاکنر	ولیم وان اوکونر	۴/-، ۸/-
مارک ٹوین	لیوئیس لیری	۴/-، ۸/-
والٹ وہٹمین	رچرڈ چیز	۴/-، ۸/-
تھارنٹن وائلڈر	جوزفائن مائلز	۴/-، ۸/-
رالف والڈو ایمرسن		۴/-، ۸/-
وہ وادی خیال	محمد عظیم ملک	۱۲/-، ۱۵/-
عکس اقبال	بیگم و ملک محمد عظیم	۱۰/-، ۱۴/-
تنقید شعر	انیس ناگی	۶/-، ۱۰/-
ناول نگاری (اردو ناول کی تاریخ و تنقید)	ڈاکٹر سہیل بخاری	۱۵/-
ادب اور تعصب	اکبر حامدی	۴/-
باغ و بہار (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	پروفیسر سلیم اختر	۱۲/-
نظم جدید کی کروٹیں	ڈاکٹر وزیر آغا	۱۲/-، ۱۶/-
حسرت موہانی (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	سید معراج نیر	۱۲/-، ۱۶/-
اطراف اقبال	ملک حسن اختر	۱۶/-، ۲۰/-
آغا حشر اور ان کا فن	اے بی ۔ اشرف	۱۲/-
اصول بلاغت	پروفیسر ضیاء الدین صدیقی	۲/۵۰
ابتدائی تنقید غزل	پروفیسر الیاس بخاری	۲/-
ابتدائی تنقید ادب	پروفیسر الیاس اختر جعفری	۱/۲۰
ابتدائی تنقید نثر	پروفیسر احمد چشمہ	۸/-
ادب کی چھاؤں میں	آرزو چودھری	۱۰/-
روشِ نگارش (فارسی)	کاظم رجوی	۲/-
خاطر غبار (غبار خاطر از آزاد کھیم کرنی پر انتقاد و تبصرہ)	عابل نثرا الف المحراث	۲۵/-

مکاتیب شوق

یعنی

حسن کی تاثیر پہ غالب نہ آ سکتا تھا علم
اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں تھی
پچاس نامۂ محبت کرنیوالوں کے خطوط

میری لائبریری میں —— آٹھ روپے

گھر بیٹھے کتاب کی مدد سے حسین بنیئے

بیوٹی کلینک

یا

خوبصورت بننے کے راز

اپنی قسم کی واحد باتصویر کتاب

درخشاں جریدی کتاب کی صورت میں اپنی کاپی کا انتظام کر لیجئے۔

مطبوعات مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

اس حقیقت سے صرف نظر ناممکن ہے کہ کسی قوم کا بہترین سرمایہ اس کے اسلاف کے کارنامے اور مکارم اخلاق ہوتے ہیں اور جو حضرات قوم کو اس کے اسلاف کی اچھی باتیں سناتے رہتے ہیں وہ قوم پر احسانِ عظیم کرتے ہیں

تاریخ وسوانح

کتاب	مصنف	سادہ جلد	مجلد
حیاتِ رسول	عارف بٹالوی	۱۲/۰۰	۱۶/۰۰
ابو بکر صدیق اکبرؓ	محمد حسین ہیکل	۲۵/۰۰	۳۰/۰۰
عمر فاروق اعظمؓ	٭	۳۲/۰۰	۴۰/۰۰
دس بڑے مسلمان	محمد اسمٰعیل پانی پتی	۱۸/۰۰	۲۲/۰۰
الحسین	محمد ابو النصر	۵/۰۰	۸/۰۰
الزہرا	٭	۴/۰۰	۸/۰۰
الہارون	٭	۸/۰۰	۱۲/۰۰
المامون	شبلی نعمانی	۸/۰۰	۱۲/۰۰
خالد سیف اللہ	ابوزید شبلی	۸/۰۰	۱۲/۰۰
ابوذر غفاریؓ	عبدالحمید جودۃ السحار	۸/۰۰	۱۲/۰۰
امام زین العابدینؓ	عبدالعزیز سید الاحل	۴/۰۰	۸/۰۰
رابعہ بصریؒ	وداد السکاکینی	۴/۰۰	۸/۰۰
عمر بن عبدالعزیز	احمد زکی صفوت	۴/۰۰	۸/۰۰
امیر معاویہ	انیس زکریا	۴/۰۰	۸/۰۰
شیخ عبدالقادر جیلانی	غلام حیدر سہیل	۴/۰۰	۸/۰۰
تذکرہ	ابوالکلام آزاد	۱۴/۰۰	۱۸/۰۰
غازی علم الدین شہید	میاں محمد ابوالفتح	۴/۰۰	۸/۰۰
سلطان محمد فاتح	محمد مصطفٰے صفوت	۵/۰۰	۱۰/۰۰
قلوپطرہ	آرتھر ویگل	۱۴/۰۰	۱۸/۰۰
سلطانی محلوں کے راز	جمال پاشا الغزی		۱۸/۰۰
روپ متی	سید فیاض حسین	۱۲/۰۰	۱۵/۰۰
خسرو شیریں زباں	اقبال صلاح الدین	۱۴/۰۰	۱۸/۰۰
سقوط مشرقی پاکستان	صفدر محمود		۱۵/۰۰
ہمارے غازی ہمارے شہید	آغا اشرف	۲۵/۰۰	۳۰/۰۰
ایک جنگ ایک المیہ (جنگ ۷۱ء)	٭		۱۲/۰۰
اجتماع ملت اسلامیہ	آغا اشرف	۲۵/۰۰	۳۰/۰۰
عبداللہ بن عمرؓ	سلام اللہ صدیقی	۴/۰۰	۸/۰۰
عبداللہ بن عباسؓ	٭	۴/۰۰	۸/۰۰
دیدہ بینائے قوم (محمد علی جناحؒ)	محمد سلیم ضیا	۵/۰۰	۸/۰۰
آگ اور خون کا دریا	خلش ہمدانی	۱۲/۰۰	۱۶/۰۰

مصنفین اردو باتصویر زوار زیدی آرٹ پیپر ۸/-

اردو شاعروں کا البم باتصویر زوار زیدی آرٹ پیپر ۸/-

ہائیں نہ مانیں ڈیل کارنیگی ۸/۰۰ ۱۲/۰۰

انتالیس بڑے آدمی " " ۱۰/۰۰ ۱۴/۰۰

کامیاب لوگوں کی دلچسپ باتیں ٭ ۱۰/۰۰ ۱۵/۰۰

ہرچی منہ مجیب الرحمٰن شامی ۴/۰۰ ۸/۰۰

ادب

بیاضِ مبارک، سید مبارک شاہ جیلانی
مرتبہ زوار حسین ۱۰/۰۰ ۱۵/۰۰

اردو کا بہترین انشائی ادب مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۲۵/- ۳۰/-

غبار خاطر (معہ شذرات) ابوالکلام آزاد ۱۵/- ۲۰/-

یادگارِ آزاد ٭ ۸/۰۰

مفہوم غالب احسن علی خاں ۲۰/۰۰ ۳۵/-

مکاتیب شوق مرتبہ عطش درانی ۸/۰۰ ۱۲/۰۰

شاعری

دیوان ولی انتخاب معہ مقدمہ محمد خان اشرف مع
انتخاب حسرت موہانی ۶/۰۰ ۱۰/-

دیوان مصحفی " فراق گورکھپوری " ٭ ۸/۰۰ ۱۴/۰۰

دیوان آتش " ڈاکٹر وحید قریشی " ٭ ۱۰/۰۰

دیوان جرأت حسن عسکری " ٭ ۱۰/۰۰ ۱۴/-

دیوان فانی مرتب ملک حسن اختر ۶/۰۰ ۱۰/۰۰

انتخاب غالب ٭ سید اختر عباس ۱/۵۰

غالب دیاں غزلاں (پنجابی) پروفیسر ارشاد کلانچوی ۴/۰۰ ۸/-

نجوم و جواہر، جوش ملیح آبادی مصور ۲۰/-

قبائے ساز مصطفٰے زیدی ۶/۰۰ ۸/۰۰

خیمے کے آس پاس، رباعیات خیام کا اردو انگریزی ترجمہ از میراجی ۱۵/۰۰

دیوان غالب (اردو) مقدمہ ملک حسن اختر معہ انتخاب حسرت موہانی ۶/- ۱۰/-

کلیات غالب (تحقیقی ایڈیشن) مرتب وزیر الحسن عابدی ۵۰/- ۱۰۰/-

لذت آوارگی (دیوان) اے ڈی اظہر ۱۲/۰۰

سفر دی رات (پنجابی) منیر نیازی ۴/۰۰ ۸/۰۰

ذکر یار عبدالحمید عدم ۶/۰۰ ۱۰/-

خزانہ حکمت شمیم رجز ۶/۰۰ ۱۰/-

ٹوٹ بٹوٹ (نظمیں) غلام مصطفٰے تبسم ۱۰/۰۰

آٹھ غزل گو (تنقید و انتخاب) مرتب جاوید شاہین ۸/-

دریچۂ سحر جاوید ہوشیار پوری ۶/۰۰

نشانِ راہ عبدالحمید عدم ۴/۰۰

زخم مسلسل کی ہری شاخ جاوید شاہین

ہنکورے محمد شریف صابر ۶/۰۰

آتشِ سیال عارف عبدالمتین

ناول

علی پور کا ایلی ممتاز مفتی ۸۰/۰۰

میدان عمل پریم چند مقدمہ خواجہ محمد زکریا ۱۵/۰۰

میرے بھی صنم خانے قرۃ العین حیدر ۱۵/-

ننگی دھرتی (سس آئی لن جانگ) مترجم اشرف صبوحی ۵/-

ٹام سایر کے کارنامے (مارک ٹوین) " انصار ناصری ۱۲/-

پتھر کا دیس عادل رشید ۱۲/۰۰

سہرے کے پھول ٭ ۱۰/۰۰

آہٹیں ٭ ۵/۰۰

صبوحی ٭ ۱۲/۰۰

شیلا کے پھول سید شبر حسین

آندھی اور لڑکی "

رات اندھیرا اور انسان ٭

خون میں ڈوبے تو سحر دیکھی خلش ہمدانی ۱۵/۰۰

روتے دکھ کا ساگر ٭ ۱۵/۰۰

تنویر لہو کی " ۱۰/۰۰

دل بھولتا نہیں جعفر علی سید ۶/۰۰

والڈن (ہنری ڈیوڈ تھورو) مترجم حبیب اشعر ۱۶/۰۰

انسان ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ۲۰/۰۰

انسان اور شیطان غازی محمد اسحاق ۱۵/۰۰

مور کے پاؤں نوید انجم ۱۶/۰۰

اچھی اور معیاری کتابیں شائع کرنے والا ادارہ
مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

طابع : آل بشیر پرنٹرز لاہور ۲